OPEN ACCESS
Journal of Islamic & Religious Studies
ISSN (Online): 2519-7118
ISSN (Print): 2518-5330
www.uoh.edu.pk/jirs

JIRS, Vol.:5, Issue: 1, Jan – June 2020
DOI: 10.36476/JIRS.5:1.06.2020.07, PP:1-26

عام الرمادۃ کے ظاہری اسباب اور عملی اقدامات: اسوہ فاروقی کی روشنی میں

Apparent Reasons and Practical Steps of Aāmm-ūr-Remādah in the light of Uswa'-e-Fārūqī

Dr. Abdul Ghaffar
Assistant Professor, Department of Islamic Studies,
University of Okāra, Okāra
Dr. Tanveer Qasim
Assistant Professor, Department of Islamic Studies,
University of Engineering and Technology Lahore
Hafiz Intzar Ahmad
Research Assistant, Sheikh Zāyed Islamic Centre,
University of the Punjab, Lahore

Version of Record Online/Print: 29-06-2020
Accepted: 25-05-2020
Received: 31-01-2020

Abstract

Haḍrat 'Umar (R.A) had great insight and comprehension in reliving all political, religious, social, and judicial issues, in the light of Islam. He solved every individual and collective issue immediately without imposing his opinion on others but presented his views with communication and understanding. He faced criticism against his opinion and did not impose his jurisprudence without understanding. This system was continued during his whole period of regency. This symmetry of his character had given him great value among ummāh. According to shah wāliullah, he had all qualities of Sharī'ah in his thoughts and practice. The administration and jurisprudence of Ḥaḍrat 'Umar (R.A) are just like prim for Ummah, which exposes to light in a different spectrum. We can solve while the contemporary problem in the light of Ḥaḍrat 'Umar's (R.A) administrative system. This paper intends to find out the methods he used to control epidemics, famine, and malnutrition and concludes that by adopting his methods we can get rid of all political, religious, social, and judicial issues especially the epidemic of COVID 19.

Keywords: *'Umar, Aāmm-ūr-Remādah, administrative system, covid 19, coronavirus*

CC BY

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ خوش نصیب انسان ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی دانائی اور بصیرت سے نوازا تھا۔آپ حکمت وتفقہ کے ہر معنی و مفہوم کا عملی پیکر تھے۔ دینی اعتقادات کی جزئیات کے شعور سے لے کر عبادات کے ہر پہلو کا فہم اور معاملات کے تمام دائروں کے ادراک تک احکام شریعہ کو بدلے ہوئے حالات کے تناظر میں رکھ کر فیصلہ کرنے کی قوت سے لے کر قیام کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے جامع حکمت عملی کے تعین و نفاذ تک ہر چیز آپ کی اجتہادی بصیرت کی دسترس میں تھی۔

آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں میں سب سے زیادہ نمایاں اور قابل قدر آپ کی منصوبہ بندی اور حکمت عملی کی بصیرت ہے۔اس میں آپ کا کوئی اور ثانی نہیں تھا۔آپ کے عہد مبارک میں قیصر و کسریٰ کی عالمی طاقتیں سرنگوں ہو گئیں۔ اسلامی سلطنت کی سرحدیں خطہ حجاز سے پھیل کر مشرق میں ہند، چین، روس اور مغرب میں مصر، سودان اور لیبیا کے علاقوں تک پہنچ گئیں اور اس کا کل رقبہ تقریباً بائیس لاکھ اکیاون ہزار تیس مربع میل تک پہنچ گیا۔اس میں جدید عالم اسلام کے بیشتر ممالک آتے ہیں۔ فتوحات کی اس وسعت نے مسائل و مشکلات کو بھی وسیع کر دیا۔ اسلام کا واسطہ اب صرف عرب کی سادہ اور بدویانہ زندگی سے نہیں تھا، بلکہ ایسی اقوام سے تھا، جو مختلف مذاہب کے زیر اثر تھیں جو صدیوں سے متفرق تہذیبوں کے زیر سایہ رہ چکی تھیں۔ جن کی نسل، زبانیں، رنگ ،اقدار وروایات، عقائد و نظریات، فکر و شعور، طرز زندگی، ثقافت و تمدن، سیاسی و معاشی انداز اور تاریخی پس منظر بالکل مختلف تھا۔ان میں سے مسلمان ہونے والوں کو ایک امت کے رشتے میں پرونے اور ان کی فکری، علمی و عملی تربیت کرنے میں، جو حلیف ہیں ان سے کیے گئے معاہدوں کو پورا کرنے، اور جو زیر نگیں ہیں، ان کے مسائل کو حل کرنے اور سارے علاقے کو ایک منظّم و مستحکم اسلامی وفلاحی ریاست میں ڈھالنے کی ضرورت تھی، جو صحیح معنوں میں ایک بین الاقوامی ریاست کا نقشہ پیش کرے۔اس عظیم کام کو سنبھالنے کا وہی شخص اہل ہو سکتا تھا جو حالات کی تبدیلیوں، معاملات کی نیرنگیوں، مسائل کی پیچیدگیوں اور وقت کے تقاضوں کو بھی سمجھتا ہو اور وہ ایسی دینی فراست بھی رکھتا ہو کہ انہیں نصوص کی روح و مقاصد کے مطابق حل کر سکے۔

مشیت ایزدی نے فاروق اعظم کو اسی مقصد کے لیے تیار کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی اجتہادی بصیرت کے ذریعے اپنے دور کے تمام مذہبی، سیاسی، سماجی، عدالتی، قانونی، انتظامی اور معاشی، تعلیمی، عسکری اور بین الاقوامی مسائل کو اسلام کی جامع تعلیمات کی روشنی میں حل کیا۔آپ نے مختلف اداروں کے نئے ڈھانچے وضع کیے جو عہد حاضر کی تعمیر و ترقی کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دور جدید میں مذکورہ مسائل بھی نوعیت کے اعتبار سے ویسے ہی ہیں جیسے عہد فاروقی میں تھے۔ قدیم و جدید کی بحث محض نظری ہے۔بقول ڈاکٹر علامہ محمد اقبال:

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک   دلیل کم نظری قصہ جدید و قدیم

منہج تحقیق:

ہم مکمل اسلامی نظام کے قیام، ایک جدید اسلامی و فلاحی ریاست کی تشکیل و تعمیر، اسلامی ورلڈ آرڈر کے خواب کی عملی تعبیر کے لیے کتاب وسنت کے احکامات کو فاروق اعظم کی اجتہادی بصیرت ہی کی روشنی میں نافذ کرنے کے محتاج ہیں۔آپ کی زیادہ تر ریاستی پالیسیوں کو اجماعی حیثیت حاصل ہے کیونکہ وہ کھلے مذاکروں اور بے لوث مشوروں اور بحث و تمحیص کی چھلنیوں سے گزر کر وضع کی گئیں۔آپ نے شورائی اجتہاد کی بنیاد ڈالی اور اسے رواج دیا۔ ہم اس طریق کار کو اپنا کر اپنے ہر قسم کے مسائل کا حل دریافت کر سکتے ہیں۔ان مسائل میں ایک اہم مسئلہ حضرت عمرؓ کے دور میں آنے والی قحط سالی کا ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق کے عہدِ خلافت کے دوران آنے والی خشک سالی کو "رمادۃ" کہتے ہیں۔اس کا سبب یہ ہوا کہ

جزیرہ نمائے عرب میں پورے ۹ ماہ تک بارش کی ایک بوند نہ پڑی۔ ادھر آتش فشاں پہاڑ پھٹنے لگے جس سے زمین کی سطح اور اس کی ساری روئیدگی جل گئی اور وہ سیاہ مٹی کا ڈھیر ہو کے رہ گئی۔ جب ہوا چلتی ساری فضا گرد آلود ہو جاتی۔ اس لیے لوگوں میں اس برس کا نام ہی "عام الرمادة" یعنی راکھ والا برس پڑ گیا۔[1]

بارش نہ ہونے، آندھیوں کے چلنے اور کھیتوں کے جل جانے سے قحط کی صورت پیدا ہو گئی جس نے انسان اور جانوروں کو ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ فنا ہو گئے اور جو بچ رہے اُنہیں سوکھا لگ گیا۔ یہ قحط پورے حجاز پر پھیلا ہوا تھا، جیسے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"كان في عام الرمادة جدب عمّ أرض الحجاز"[2]

بقول محمد حسین ہیکل:

"یہ وہ قحط تھا جس نے ملک عرب کو جنوب کے آخری کناروں سے لے کر شمال کی آخری سرحدوں تک گھیر لیا تھا"[3]

ابن سعد کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ شام و عراق کی سرحدوں اور تہامہ تک پھیلا ہوا تھا[4] اور یمن بھی اس کی لپیٹ میں آچکا تھا۔[5]

تاریخ نگاروں نے لکھا ہے کہ اس قحط کے باعث بھیڑ بکریوں کے ریوڑ فنا ہو گئے اور جو بچ رہے اُنہیں سوکھا لگ گیا، یہاں تک کہ ایک شخص بھیڑ کو ذبح کرتا اور اس کی بد ہیئتی دیکھ کر بھوک اور مصیبت کے باوجود اسے چھوڑ کے کھڑا ہو جاتا۔ بازار سونے پڑے تھے اور ان میں خرید و فروخت کے لیے کچھ نہ تھا۔ لوگوں کے ہاتھ میں روپے تھے مگر ان کی کوئی قیمت نہ تھی اس لیے کہ بدلے میں کوئی چیز ایسی نہ ملتی تھی جس سے وہ پیٹ کی آگ بجھا سکتے۔ مصیبت طویل اور آزمائش شدید ہو گئی۔ لوگ جنگلی چوہوں کے بل کھودنے لگے کہ جو اس میں ملے، نکال کے کھالیں۔

قحط کی ابتدا میں مدینہ والوں کی حالت دوسروں سے بہتر تھی جس کا سبب یہ تھا کہ مدینہ منورہ میں مدنیت کا شعور پیدا ہو چکا تھا اور مدینہ والوں نے آسودگی کے زمانے میں ضروریاتِ زندگی کا ذخیرہ فراہم کر لیا تھا جو متمدن لوگوں کی عادت ہے۔ چنانچہ قحط کا آغاز ہوا تو وہ اس ذخیرے کے سہارے زندگی بسر کرنے لگے لیکن بدویوں کے پاس کوئی اندوختہ نہ تھا۔ اس لیے وہ شروع ہی میں بھوکے مرنے لگے اور وہ دوڑ دوڑ کر مدینہ پہنچے کہ امیر المؤمنین سے فریاد کرکے اپنے اہل و عیال کی زندگی کے لیے روٹی کا ٹکڑا مانگیں۔ ہوتے ہوتے ان پناہ گیروں کی اتنی کثرت ہو گئی کہ مدینہ میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ اب مدینہ والے بھی آزمائش میں پڑ گئے اور بدویوں کی طرح بھوک اور قحط نے ان پر بھی وار کر دیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ بیماری پھوٹ نکلی اور بہت سے لوگ اس کی نذر ہو گئے۔ حضرت عمر مریضوں کی عیادت کو جاتے اور جب کوئی مر جاتا تو اس کے لیے کفن بھیجتے۔[6] ایک مرتبہ تو بیک وقت دس آدمیوں کی نماز جنازہ پڑھائی۔ قحط کی شدت کا اندازہ آپ اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں کہ بقول مورخ طبری:

"جعلت الوحش تأوي إلى الإنس"

"یہاں تک کہ وحشی جانور انسانوں کے پاس آنے لگے (کہ شاید کچھ مل جائے)۔"[7]

بنیادی تحقیقی سوال:

ان دنوں وبائی امراض (کورونا وائرس) نے پوری دنیا کو لپیٹ میں لیا ہوا ہے جس سے تقریبا ایک لاکھ کے قریب لوگ لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ بالخصوص ملک پاکستان میں کرونا وائرس کی وجہ سے میں کچھ ایسی ہی صورت حال ہے۔ جس کی وجہ سے

پاکستان ایشیا کا چوتھا خطرناک ملک بن چکا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قحط اور غذائی قلت کی وجہ سے عالم انسانیت پر معاشی صورت حال بھی دگرگوں ہے ملکی قرض جات ۲۱ ہزار ۶۷۶ ارب روپے، غیر ملکی ۱۱۱ ارب ڈالر ہو گیا ہے ایسی صورت حال میں قرون اولیٰ میں جناب حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں بھی کچھ ایسی ہی کیفیت تھی۔ ایسی صورت حال میں جناب امیر المومنین نے کیا طریقہ اختیار کیا؟ اس تناظر میں بنیادی مسئلہ کا حل تلاش کیا جائے گا۔

سابقہ کام کا جائزہ:

امیر المومنین جناب حضرت عمر فاروقؓ اسلامی دنیا کی ایک اہم شخصیت ہیں جنہیں خلیفہ دوم بھی کہا جاتا ہے شروع سے لے کر اب تک سیرت فاروقی پر لکھنے والوں کی کمی نہیں رہی کسی نے ان کے نظام تعلیم اور کسی نے ان کے نظام عدل وانصاف اور دیگر جہتوں پر بہت سارا علمی کام کیا ہے اردو ذخیرہ ادب میں مولانا شبلی نعمانی کی الفاروق کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ سیرت عمر فاروقؓ اور ان کی اجتہادی بصیرت کے حوالے سے شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب سے ایک اہم کام ڈاکٹر ممتاز احمد سالک نے کیا ہے تاہم اس میں بھی یہ پہلو تشنہ ہے جس پر یہ ایک اہم مقالہ تحریر کیا جا رہا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے اقدامات، کردار، انتظامات کا جائزہ:

اس بحران سے نمٹنے کے لیے امیر المؤمنین نے کیا طریقہ اختیار کیا، کیسے انتظام کیا اور کون سے اقدامات اُٹھائے۔ بعض اقدامات تو خالصتاً انتظامی نوعیت کے تھے اور بعض امیر المؤمنین کے ذاتی کردار سے متعلق تھے لیکن جو چیز ان میں مشترک ہے، وہ ہے امیر المؤمنین کی حیرت انگیز اور عدیم المثال انتظامی صلاحیت، اپنی رعیت کے ساتھ پر خلوص محبت، خیر خواہی اور للّٰہیت۔ آنے والی سطور میں آپ کے انتظامات واقدامات کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔

1۔ عوام کی بیت المال سے امداد:

جیسے جیسے قحط میں شدت پیدا ہوتی گئی، لوگوں کی قوت جواب دیتی گئی۔ جو کچھ ان کے پاس محفوظ تھا، اسے کھا گئے حتیٰ کہ کچھ بھی باقی نہ رہا۔ چنانچہ آس پاس کے لوگ امیر المؤمنین کے پاس دار الخلافہ مدینہ منورہ آنے لگے۔ مدینہ منورہ میں بیت المال میں جو کچھ موجود تھا، لوگوں کی زندگیاں بچانے کے لئے امیر المؤمنین نے وہ سب کچھ تقسیم کر دیا۔ ابن کثیر[7] فرماتے ہیں:

"فأنفق فيهم من حواصل بيت المال مما فيه من الأطعمة والأموال حتى أنفده"[8]

"بیت المال میں جو کچھ غذائی مواد یا مال موجود تھا، وہ ان پر خرچ کیا حتیٰ کہ اسے ختم کر ڈالا۔"

2۔ محاسبہ کا عمل اختیار کرنا (توبہ واستغفار کی طرف توجہ):

بلاشبہ "رمادة" ایک بڑی آزمائش تھی۔ اس کے ظاہری اسباب کو موضوعِ سخن بنانے کی بجائے امیر المؤمنین نے مناسب سمجھا کہ اپنے اعمال کا جائزہ لیا جائے اور قوم کو بھی اس طرف متوجہ کیا جائے۔ اولیاء اللہ کا طریقہ ہمیشہ یہی رہا ہے کہ آزمائش کے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کا جائزہ لیتے ہیں کہ کہیں کسی لغزش کے نتیجے میں تو یہ مصیبت نازل نہیں ہوئی؟

ابن سعد، سلیمان بن یسار سے روایت کرتے ہیں:

"خطب عمر بن الخطّاب الناس عام الرمادة فقال: أيّها النّاس اتّقوا الله في أنفسكم وفيما غاب عن الناس من أمركم، فقد ابتُليت بكم وابتُليتُم بي. فما أدري ألسُّخْطةُ عليّ دونكم أو عليكم دوني؟ أو قد عمّتْني وعمّتكم، فهلمّوا فلندْعُ الله يُصْلِحْ قلوبنا وأن يرحمنا وأن يرفع عنّا المحل، قال فرُئي عمر يومئذٍ رافعًا

يديه يدعو الله، ودعا الناس وبكىٰ وبكى الناس مَليًّا، ثمّ نزل"[9]

"رمادۃ کے زمانے میں سیدنا عمر بن خطاب نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: لوگو! اپنے ربّ سے ڈرو، اپنے نفس کے بارے میں اور اپنے ان اعمال کے بارے میں جو لوگوں سے پوشیدہ ہیں۔ یقیناً تمہاری وجہ سے میری اور میری وجہ سے تمہاری آزمائش ہو رہی ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اللہ کی ناراضگی صرف مجھ پر ہے یا صرف تم پر اور یا عمومی طور پر ہم سب پر۔ آیئے بارگاہِ الٰہی میں دعا کریں کہ وہ ہمارے دلوں کی اصلاح فرمائے، ہم پر رحم فرمائے اور ہم سے قحط وخشک سالی کو اُٹھالے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر کو اس روز بارگاہِ الٰہی میں دونوں ہاتھ اُٹھائے ہوئے دعا مانگتے دیکھا گیا اور لوگوں نے بھی دعا مانگی۔ سیدنا عمر کافی دیر تک خود بھی روئے اور لوگ بھی رو دیے۔ پھر منبر سے اُترے۔"

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے کہا:

"سمعت عمر يقول: أيها الناس إني أخشى أن تكون سخطة، عمّتنا جميعا فأعتبوا ربكم وانزعوا وتوبوا إليه"[10]

"میں نے حضرت عمر کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگو مجھے ڈر ہے کہ (یہ قحط) ہم سب پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اظہار ہے۔ اس لیے اپنے رب کو راضی کرلو، اس کی ناراضگی سے ہاتھ کھینچ لو۔ اس کی بارگاہ میں توبہ کرلو۔"

یہ ہے ایک ولی اللہ کا کردار کہ مصیبت کی گھڑی میں شکوے شکایت کی بجائے خود اپنے محاسبہ سے کام لیا، قوم کو بھی خود محاسبے کی طرف متوجہ کیا۔

3۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا اہتمام:

محاسبہ کے ساتھ ساتھ امیر المؤمنین حضرت عمر نے معمول سے بڑھ کر توجہ الی اللہ کا اہتمام فرمایا۔ عبد اللہ بن ساعدہ کہتے ہیں:

"رأيت عمر إذا صلّى المغرب نادى: "أيها الناس استغفروا ربكم ثم توبوا إليه وسلوه من فضله واستسقوا سقيا رحمة لا سقيا عذاب." فلم يزل كذلك حتى فرج الله ذلك"[11]

"میں نے دیکھا کہ حضرت عمر جب مغرب کی نماز پڑھ لیتے تو لوگوں کو مخاطب کرکے فرماتے: لوگو اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو، اس کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ یہی آپ کی عادت رہی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مصیبت دور فرمادی۔"

حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں:

"كان عمر بن الخطاب أحدث في عام الرمادة أمرًا ما كان يفعله ... وإني لأسمعه ليلة في السحر وهو يقول: "اللهم لا تجعل هلاك أمة مُحَمَّد علىٰ يدي"[12]

"حضرت عمر نے "رمادۃ" کے زمانے میں ایسا طریقہ اپنایا جو وہ اس سے پہلے نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا کر مسجد سے نکل کر اپنے گھر تشریف لاتے اور مسلسل نماز پڑھتے۔ پھر رات کے آخری پہر نکلتے، گلیوں کا چکر لگاتے۔ میں نے بارہا رات کو سحر کے وقت اُن کو کہتے ہوئے سنا: الٰہی! امتِ محمد کو میرے ہاتھوں ہلاک نہ ہونے دے۔"

4۔ لوگوں کے حالات سے آگاہی کے لیے رات کو جائزہ لینا:

حضرت عمر فاروق کی مبارک عادتوں میں سے ایک عادت یہ تھی کہ رعیت کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے رات کے وقت خود چل کر جائزہ لیا کرتے تھے اور جس کسی کو امداد کا مستحق خیال کرتے، رات کی تاریکی میں ہی ضرور مدد فراہم کر دیتے۔ یہ عادت رمادہ کے زمانے میں بھی جاری رہی بلکہ رمادہ کے زمانے میں وہ معاشرتی تبدیلیوں پر بھی نظر رکھ رہے تھے اور ان کا تجزیہ بھی کیا کرتے۔ امام ابن کثیر نقل کرتے ہیں کہ رمادہ کے سال اُنہوں نے رات کے وقت مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت کیا تو کسی کو ہنستے نہیں پایا، نہ ہی لوگوں کو اپنے گھروں میں حسبِ عادت گفتگو کرتے سنا اور نہ کسی مانگنے والے کو مانگتے دیکھا۔ یہ صورت حال چونکہ خلافِ معمول تھی اس لیے اُنہوں نے فوراً محسوس کیا، چنانچہ اس کے سبب کے بارے میں دریافت کیا۔ اُنہیں بتایا گیا کہ اے امیر المؤمنین! سوال کرنے والے سوال کرتے رہے لیکن اُنہیں کچھ نہیں دیا گیا، اس لیے اُنہوں نے مانگنا اور سوال کرنا ہی چھوڑ دیا۔ اس کے علاوہ لوگ پریشانی اور تنگ دستی کا شکار ہیں، اس لیے نہ تو حسبِ معمول گپ شپ لگاتے ہیں اور نہ ہی ہنستے ہنساتے ہیں۔ ایسے حالات میں عمر صرف سرکاری رپورٹوں پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ رات کے اندھیرے میں خود جا کر حالات معلوم کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

5۔ دیگر ریاستوں کے سربراہان کے نام امدادی خطوط کی روانگی:

کتبِ تواریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی کوشش یہ تھی کہ قحط سالی سے متاثرہ عوام کے دکھوں کا مداوا بیت المال سے کیا جائے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ بیت المال میں جو کچھ تھا، وہ اُنہوں نے خرچ کر دیا، یہ ان کا معمول تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام اپنے ایک مکتوب میں اُنہوں نے حکم دیا کہ سال میں ایک دن ایسا مقرر کرو جب خزانہ میں ایک درہم تک باقی نہ رہے اور وہاں جھاڑو لگا دیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو کہ میں نے ہر حقدار کا حق ادا کر دیا ہے۔[13]

صرف مقامی بیت المال سے امداد پر انحصار کی دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اُنہیں اُمید تھی کہ شاید قحط کا سلسلہ جلد ختم ہو جائے گا، مصیبت ٹل جائے گی اور باہر سے امداد منگوانے کی ضرورت نہ رہے گی لیکن خشک سالی کی طوالت سے عوام کی مشکلات میں اضافہ ہوتا گیا اور مدینہ منورہ کا بیت المال بھی خالی ہو گیا تو حضرت عمر نے امداد بھجوانے کے لیے صوبوں کو خطوط لکھنے کا فیصلہ کیا۔ تاریخی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو خطوط لکھے جو انتہائی مختصر اور زور دار تھے۔

سب سے پہلے حضرت ابو عبیدہؓ غذائی سامان سے لدے ہوئے چار ہزار اونٹ لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ کے ارد گرد قیام پذیر قحط زدگان کے درمیان یہ غذائی سامان تقسیم کرنے کا کام ابو عبیدہؓ کے سپرد کیا۔ تقسیم کا کام حضرت ابو عبیدہؓ کے سپرد کرنے میں دو فائدے تھے۔ ایک تو یہ کہ دوسروں کے مقابلے میں وہ زیادہ جوش جذبے کے ساتھ یہ خدمت انجام دیں گے۔ دوسرے یہ کہ وہ خود اپنی آنکھوں سے حالات کا مشاہدہ کر لیں گے اور واپس جا کر اہل شام کو حالات سے آگاہ کر سکیں گے۔ اسی طرح حضرت عمر نے حضرت معاویہؓ کو لکھا:

"إذا جاءك كتابي هٰذا فابعث إلينا من الطعام بما يصلح من قبلنا فإنهم قد هلكوا إلا أن يرحمهم الله"[14]

"جب تمہارے پاس میرا یہ خط پہنچے تو فوراً ہمارے پاس اتنا سامان بھیجو جو یہاں ہمارے لوگوں کی حالت بہتر کر سکے کیونکہ اگر اللہ کی رحمت شامل حال نہ ہوئی تو لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔"

چنانچہ حضرت معاویہؓ نے غذائی سامان سے لدے ہوئے تین ہزار اونٹ اور تین ہزار چغے روانہ کر دیئے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو مدد کے لئے لکھا تو اُنہوں نے آٹے سے لدے ہوئے دوہزار اونٹ بھیجے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے بری و بحری راستے سے امداد روانہ کی۔ حضرت عمرؓ نے لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر کی طرف سے عاصی بن العاص کے نام، امابعد: کیا تم مجھے اور میرے پاس والوں کو ہلاک ہوتے دیکھوگے اور تم اور تمہارے پاس والے زندہ رہیں گے۔ مدد! مدد! مدد!"

حضرت عمرو بن العاصؓ نے جواب میں لکھا:

"سلام ہو آپ پر۔ میں آپ کے سامنے اس اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ امابعد! مدد آپ کے پاس پہنچنے والی ہے، آپ اطمینان رکھیں۔ میں ایسا قافلہ آپ کے پاس بھیج رہا ہوں جس کا اگلا سرا آپ کے پاس اور آخری سرا میرے پاس ہوگا۔"[15]

چنانچہ اُنہوں نے فوری طور پر بَری راستے سے آٹے سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار کمبل بھیجے۔ یہ امداد سمندر کے راستے جدہ اور جدہ سے مکہ مکرمہ پہنچی۔[16] لیکن کہاں سے روانہ ہوئی تو اس میں اختلاف ہے، محمد حسین ہیکل کی رائے میں ایلہ (موجودہ عقبہ) سے روانہ ہوئی تھی۔[17] جبکہ ابن الاثیر اور ابن خلدون کی رائے میں یہ امدادی سامان بحر قلزم سے روانہ ہوا تھا۔[18] صورت حال جو بھی ہو سمندری راستے سے امداد آنا تاریخی طور پر ثابت شدہ ہے اور اس کی تفصیلات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ بقول طبری حضرت عمرؓ کے خط کے جواب میں حضرت عمرو بن العاصؓ نے لکھا:

"بعثتِ نبوی کے وقت بحر شامی سے ایک نہر کھود کر نکالی گئی جو بحیرہ عرب میں گرتی تھی جسے رومیوں اور قبطیوں نے بند کر دیا تھا۔ اگر آپ چاہیں کہ مدینہ منورہ میں غذائی مواد کی قیمت مصر کی قیمتوں کے برابر ہو تو میں دوبارہ نہر کی کھدائی کر لوں اور اس سے شاخیں نکلوادوں، جواب میں حضرت عمر نے لکھا کہ یہ کام کر دو اور اس میں جلدی کرو۔ لیکن مصریوں نے حضرت عمرو بن العاص کی خدمت میں عرض کیا کہ خراج کے طور پر آپ کو کافی رقم مل رہی ہے اور آپ کا امیر بھی آپ سے راضی ہے، (اس لیے نہر کھدوانے کی ضرورت نہیں) کیونکہ اگر یہ منصوبہ مکمل ہوا تو خراج میں کمی واقع ہوگی چنانچہ حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عمر کو اس کے بارے میں لکھا کہ اس منصوبے سے مصر کے خراج میں کمی ہوگی اور معیشت خراب ہو جائے گی۔ جواب میں حضرت عمر نے پھر لکھا کہ منصوبہ پر عمل درآمد کرو اور عجلت سے کام لو۔ اگر اس سے مدینہ آباد اور سدھر سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ مصر کو برباد کرے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص نے بحر قلزم سے سے نہر نکالی۔ نتیجتاً مدینہ منورہ کا نرخ مصر کے نرخوں کے برابر رہا اور اس سے مصر کی خوشحالی میں بھی اضافہ ہوا۔"[19]

البتہ ابن الجوزی کی روایت میں "أخرب الله مصر" کی بجائے "أخرب الله خراج مصر" کے الفاظ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ مصر کے خراج کو غارت کر دے یہی الفاظ زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ غالباً اسی روایت کو بنیاد بنا کر ابن الاثیر اور ابن خلدون دونوں نے لکھا ہے:

"وأصلح عمرو بن العاص بحر القلزم وأرسل فيه الطعام"

"عمرو بن العاص نے بحر قلزم کی اصلاح کی اور اسی راستے غذائی سامان بھیجا۔"

لیکن ظاہر ہے کہ مصر اور مدینہ منورہ میں بار بار کی مراسلت اور درمیانی طویل فاصلہ وقت کا متقاضی ہے۔ اس لیے ایلہ (عقبہ) کی بندرگاہ اور بحر قلزم والی دونوں روایات کے درمیان تطبیق یوں کی جا سکتی ہے کہ ابتداءً انہوں نے فوری کاروائی کرتے ہوئے ایلہ سے غذائی سامان بھجوایا اور پھر نہر مذکور کی صفائی کر کے اسے ٹھیک کیا اور بعد میں غلہ اسی راستے بھجواتے رہے۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ مذکورہ نہر کی صفائی تقریباً ایک سال میں مکمل ہوئی اور سال مکمل ہونے سے پہلے ہی اس میں کشتیوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ اس نہر کا نام خلیج امیر المؤمنین پڑ گیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانے تک اسی ذریعے سے غلہ پہنچتا رہا لیکن بعد کے اُمرا نے اس پر کوئی خاص توجہ نہ دی۔ اس میں ریت بھر گئی اور یوں یہ راستہ منقطع ہو گیا۔[20]

اس پورے واقعے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ قلیل المدت یا فوری نوعیت کے اقدامات کے ساتھ ساتھ حضرت عمر فاروق نے طویل المدت اقدامات بھی کیے جس سے مدنی اور مصری معیشت پر دوررَس اثرات پڑے۔ مدینہ منورہ کے جنوب میں جار نامی حجاز کی بندرگاہ تھی۔ اس بحری راستے سے سامان جار پہنچتا اور جار سے پھر مکہ، مدینہ اور یمن تک چلا جاتا۔[21]

چنانچہ طبری نے مذکورہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"ولم یر أهل المدینة بعد الرمادة مثلها" [22]

"اہل مدینہ نے رمادہ کے بعد پھر اس جیسی صورتحال نہیں دیکھی۔"

لیکن امدادی سرگرمیاں صرف یہاں تک محدود نہ تھیں بلکہ اسلامی ریاست کے ہر علاقے سے امدادی سامان پہنچنا شروع ہوا۔ چنانچہ طبری اور ابن الاثیر دونوں نے یہ الفاظ نقل کیے:

"وتتابع الناس واستغنی أهل الحجاز"[23]

"پھر لوگ (امدادی سامان لے کر) پے در پے آنے لگے حتیٰ کہ اہل حجاز مستغنی ہو گئے۔"

6۔ امدادی سامان کی تقسیم کے لیے منتظمین کا تقرر

امدادی سامان مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد ایک مشکل کام باقی رہ گیا تھا اور وہ تھا امدادی سامان کی تقسیم۔ جن حضرات کو اس قسم کا کوئی تجربہ ہوا ہے، وہ جانتے ہیں کہ تقسیم انتہائی مشکل کام ہے۔ کم سامان اگر ترتیب اور نظم و ضبط کے ساتھ تقسیم ہو تو بڑی مشکلات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ لیکن نظم و ضبط کے فقدان کی صورت میں زیادہ وسائل کے باوجود مشکلات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے امیر المؤمنین حضرت عمر نے ایک لائحۂ عمل تیار کیا جس کے دو حصے تھے: ایک حصہ دار الخلافہ یعنی مدینہ منورہ کے لیے تھا جبکہ دوسرا حصہ دیگر علاقوں کے لیے تھا۔

مدینہ منورہ میں غذائی اشیاء کی تقسیم:

مدینہ منورہ مسلمانوں کا روحانی مرکز تو ہے ہی، البتہ اس کے ساتھ ساتھ دار الخلافہ بھی تھا۔ جب قحط شروع ہوا اور اس میں شدت پیدا ہوئی تو لوگ ہر طرف سے چل کر مدینہ منورہ آنے لگے۔ چنانچہ امیر المؤمنین نے چند منتظمین کا تقرر کیا جو لوگوں کی خبر گیری کر سکیں اور غذائی سامان تقسیم کر سکیں۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق:

"رمادۃ کے سال عرب لوگ ہر طرف سے چل کر مدینہ منورہ پہنچے۔ جہاں عمر بن خطاب نے چند لوگوں کو مقرر کیا جو ان کی خبر گیری کریں، ان کے درمیان طعام اور سالن تقسیم کر سکیں۔ ان میں یزید بن اُخت النمر، مسور بن مخرمہ، عبد الرحمن بن عبد اور عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود وغیرہم شامل تھے۔ رات کو یہ لوگ حضرت عمر کے پاس

جمع ہوتے اور اپنی ساری کارگزاری اُن کو بتاتے۔ ان میں سے ہر شخص مدینہ کے ایک مخصوص علاقے پر مقرر تھا۔ اس زمانے میں لوگ ثنیۃ الوداع سے راتج، بنی حارثہ، بنی عبد الاشہل، بقیع اور بنی قریظہ کے علاقے تک پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ جبکہ کچھ لوگ بنی سلمہ کے علاقے میں بھی تھے اور انہوں نے مدینہ منورہ کو گھیر رکھا تھا۔"[24]

سب سے پہلی امداد حضرت ابو عبیدہؓ لے کر آئے تھے جو اُنہوں نے خود تقسیم کی۔ بعد میں آنے والے امدادی سامان کی تقسیم مذکورہ بالا حضرات کے سپرد ہوئی اور سب سے بڑھ کر خود امیر المؤمنین ان مہاجرین کی خدمت کیا کرتے تھے۔ اپنی پیٹھ پر بوریاں لادتے، ان کے لیے کھانا پکاتے اور رہائش کا بندوبست کرتے تھے۔ مالک بن اوس کہتے ہیں:

"رمادہ کے سال میری قوم کے سو گھرانے عمر کے پاس مدینہ آئے اور جبانہ کے مقام پر ٹھہرے، چنانچہ جو لوگ امیر المومنین کے پاس حاضر ہوئے وہ ان کو کھلاتے اور جو آ نہیں سکتے تھے، ان کے لیے آٹا کھجور اور سالن ان کے گھروں میں بھجواتے، چنانچہ آپ میری قوم کے لوگوں کے پاس ان کی ضرورت کا سامان ماہوار بھجواتے رہتے تھے۔"[25]

اُنہوں نے جبانہ میں کچھ لوگوں کو ٹھہرایا اور پھر بار باران کی اور دوسروں کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔[26]

7۔ مدینہ منورہ میں اجتماعی دستر خوان:

مدینہ میں جو لوگ پہلے سے رہائش پذیر تھے اور جو پناہ گزیں بن کے آئے، ان میں مرد و خواتین بوڑھے اور بچے کمزور بیمار ہر قسم اور ہر عمر کے افراد موجود تھے۔ ہر ایک کے پاس نہ تو پکانے کا سامان تھا، نہ ہی ہر شخص پکانے کے قابل تھا۔ اس لیے حضرت عمر نے مدینہ منورہ میں بیت المال کی طرف سے خلافتی دستر خوان کی روایت قائم کی۔ وہ روٹی کو روغن زیتون میں بھگو کر ثرید بناتے تھے اور ایک دن چھوڑ کر جانور ذبح کر کے اس کا گوشت ثرید پر ڈالتے تھے۔ حضرت عمر نے بڑی بڑی دیگیں چڑھا رکھی تھیں جن پر کام کرنے والے لوگ صبح سویرے اٹھتے اور "کرکور" (ایک قسم کا کھانا ہے) تیار کرتے اور جب صبح ہوتی تو مریضوں کو کھانا کھلاتے، "عصیدہ"[27] تیار کرتے۔ حضرت عمر کے حکم سے ان دیگوں میں تیل ڈال کر گرم کیا جاتا، جب اس کی تیزی اور گرمی ختم ہو جاتی تو روٹی کی چوری تیار کی جاتی اور اس پر یہی تیل ڈال دیا جاتا۔[28] پھر آواز لگانے والا لوگوں کو بلاتا:

"من أحب أن يحضر طعامًا فيأكل فليفعل ومن أحبّ أن يأخذ ما يكفيه وأهله فليأت فليأخذه"[29]

''جو شخص چاہے کہ حاضر ہو کر کھانے میں شریک ہو تو آ جائے اور جو کوئی چاہتا ہو کہ اپنے لیے اور اپنے اہل و عیال کے لیے ساتھ لے جائے تو وہ ساتھ لے جائے۔''

پھر جب حضرت عمرو بن العاصؓ نے امدادی سامان بھیجا تو دستر خوان خلافت پر ہر روز بیس اونٹ ذبح ہوتے۔[30]

ایک مرتبہ جب لوگ عشاء کا کھانا کھا چکے تو حضرت عمر نے حکم دیا کہ جن لوگوں نے ہمارے دستر خوان پر کھانا کھایا، اُنہیں شمار کیا جائے۔ اگلے دن گنتی کی گئی تو وہ سات ہزار پائے گئے۔ پھر اُنہوں نے حکم دیا کہ جو لوگ حاضر نہیں ہو سکتے مثلاً خواتین مریض اور بچے وغیرہ ان کی گنتی کی جائے، گنتی ہوئی تو وہ چالیس ہزار نکلے، کچھ دن گزرے تو لوگوں کی تعداد بڑھ گئی اُنہوں پھر گنتی کا حکم دیا۔ تو معلوم ہوا کہ خود حاضر ہو کر کھانا کھانے والوں کی تعداد دس ہزار اور دوسروں کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچ گئی۔ بارش ہونے تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔[31]

اتنی بڑی تعداد کو کھانا کھلانا وسائل کے اعتبار سے تو خیر مشکل ہی ہے۔ البتہ انتظامی لحاظ سے بھی بڑا مشکل کام ہے کہ پچاس ہزار افراد کو مسلسل نو ماہ تک صبح شام پکا پکایا کھانا ایک محدود علاقے کے اندر فراہم ہوتا رہے۔

حجاز میں غذائی سامان کی تقسیم:

حضرت عمر کے لائحۂ عمل کے دو حصے تھے۔ایک حصہ مدینہ منورہ کے لیے، دوسرا مدینہ منورہ سے باہر کے علاقوں کے لیے جس میں پورا حجاز شامل ہے۔اس لائحۂ عمل کی ترتیب میں حضرت عمر کے پیش نظر مقصد یہ تھا کہ لوگ اپنے اپنے علاقوں میں قیام رکھیں اور وہ اس بات پر اطمینان محسوس کریں کہ خلیفہ ان سے غافل نہیں اور یہ کہ طعام ان کے پاس ان کی قیام گاہ پر ہی پہنچے گا۔ دراصل حضرت عمر اس طرح لوگوں میں پھیلے ہوئے اس رجحان کی حوصلہ شکنی کرنا چاہتے تھے کہ جس کے تحت لوگ مدینہ کی طرف ہجرت کرکے آرہے تھے۔اگر سب لوگ مدینہ منورہ چلے آتے تو مدینہ میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہتی اور مصیبت دوچند ہو جاتی۔ پہلے تو صرف غذائی سامان کی غیر موجودگی کا سامنا تھا، اب رہائش اور پناہ گاہ کی فراہمی بھی مسئلہ بن جاتی۔

شاید اس اقدام سے خلیفہ کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ جو لوگ پہلے ہی دار الخلافہ میں پناہ لے چکے ہیں، ان کو واپس اپنے اصل مقامات پر واپس بھجوا دیا جائے۔جب مسلمان دیکھیں گے کہ خلیفہ باہر کے علاقوں پر زیادہ توجہ دے رہا ہے اور ان علاقوں کو دار الخلافہ کے مقابلے میں اوّلیت دی جارہی ہے اور ان کے آبائی علاقے مدینے کے مقابلے میں مقدم ہیں تو وہ خوشی خوشی ان علاقوں میں واپس جائیں گے، جہاں سے بھاگ کر اُنہوں نے ہجرت کی تھی۔اس لائحہ عمل کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہوا کہ لوگ خصوصاً عورتیں بچے اور بوڑھے صبر آزما سفر کی تکلیفوں اور اخراجات سے بچ گئے اور جو کچھ اُنہیں ملنا تھا، بغیر کسی اضافی خرچ اور سفر کے اُنہیں اپنے گھروں میں ہی مل گیا۔

حزام بن ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر کے نمائندے جار کی بندرگاہ سے غذائی سامان وصول کرکے لوگوں کو کھلاتے رہے۔اسی طرح حضرت معاویہ نے شام سے سامان بھیجا، حضرت عمر نے اس کی وصولی کے لیے شام کی سرحدوں تک آدمی بھیجے، جو حضرت عمر کے دوسرے نمائندوں کی طرح لوگوں کو کھانا کھلاتے، اونٹ ذبح کرتے اور لوگوں کو چغے پہناتے رہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے ایسا ہی سامان عراق سے بھیجا تو حضرت عمر نے اس کی وصولی کے لیے اپنے آدمیوں کو عراق کی سرحدوں کے قریب بھیجا، وہ انہی علاقوں میں اونٹ ذبح کرتے اور لوگوں کو آٹا کھلاتے رہے اور چغے پہناتے رہے۔یہ سلسلہ یونہی جاری رہا حتیٰ کہ اللہ تعالی نے مسلمانوں سے یہ مصیبت رفع فرمادی۔[32]

امام ابن جوزیؒ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دن جبکہ حضرت عمر کنکریوں سے بھری چادر سر کے نیچے رکھ کر مسجد میں آرام فرمارہے تھے۔اُن کے کان میں کسی پکارنے والے کی یہ آواز پڑی کہ ہائے عمر، ہائے عمر! حضرت عمر پریشان ہو کر بیدار ہوئے اور جہاں سے آواز آرہی تھی، اس طرف چل دیے۔دیکھا کہ ایک دیہاتی شخص اونٹ کی مہار تھامے کھڑا ہے۔لوگ اس کے ارد گرد جمع ہیں، حضرت عمر کو دیکھ کر لوگوں نے کہا، یہ ہیں امیر المؤمنین۔حضرت عمر نے اسے مظلوم خیال کرتے ہوئے پوچھا کہ تمہیں کس نے تکلیف دی ہے؟اس شخص نے جواب میں چند اشعار پڑھے جن میں قحط کی شکایت کی تھی۔حضرت عمر نے اپنا دستِ مبارک اس کے سر پر رکھا۔پھر ان کی چیخ نکلی: ہائے عمر ہائے عمر! کیا تمہیں معلوم ہے یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟ یہ قحط اور خشک سالی کا ذکر کر رہا ہے اور اس کا خیال ہے کہ عمر خود کھا پی رہا ہے اور مسلمان قحط و تنگ دستی میں مبتلا ہیں۔کون ہے جو ان کے پاس کھانے پینے کا سامان کھجور اور ان کی ضرورت کی چیزیں پہنچا دے۔چنانچہ انصار میں سے دو آدمیوں کو روانہ کیا جن کے ساتھ غذائی سامان اور کھجور سے لدے بہت سارے اونٹ تھے جنہیں لے کر وہ دونوں یمن پہنچے اور سب کچھ تقسیم کر دیا، البتہ ایک اونٹ پر تھوڑا سامان بچ گیا۔

وہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ واپسی پر جب ہم آ رہے تھے تو ہمارا گزر ایک ایسے شخص سے ہوا جس کی ٹانگیں بھوک سے سکڑ چکی تھیں لیکن اس حال میں بھی وہ کھڑے نماز پڑھ رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر اس نے سلام پھیرا اور پوچھا کیا تمہارے پاس کھانے کے لیے ہو گا؟ جو کچھ ہمارے پاس بچا تھا، ہم نے اس کے سامنے ڈال دیا اور اسے حضرت عمر کے بارے میں بتایا۔ اس نے کہا: واللہ اگر ہمیں اللہ نے عمر کے سپرد کیا ہے تب تو ہم ہلاک ہو جائیں گے؟ اس سامان کو چھوڑ کر وہ دوبارہ نماز میں مصروف ہوا اور اپنے ہاتھ دعا کے لیے اُٹھا دیے اور اس کے اُٹھے ہوئے ہاتھوں کے گرنے سے پہلے ہی اللہ نے بارانِ رحمت نازل فرمادی۔[33]

مصیبت زدوں افراد کو یاد رکھنا:

آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ خشک سالی کتنے وسیع علاقے پر پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ کس حد تک مفلوک الحال ہو چکے تھے اور کتنی بڑی تعداد مدینہ منورہ میں پناہ گزین ہو چکی تھی لیکن اس کے باوجود قبائل تو درکنار وہ کسی ایک گھر کو بھی اس دوران بھول نہ پائے۔ ہر مصیبت زدہ ہر وقت ان کے ذہن میں موجود رہتا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت عمر صائم الدہر تھے۔ رمادہ کے زمانے میں افطار کے وقت روٹی اور روغن زیتون کا ثرید بنا کر اُن کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ کئی اُونٹ ذبح کیے گئے اور لوگوں کو گوشت کھلایا گیا اور چند اچھی اچھی بوٹیاں ان کے لیے رکھی گئیں۔ جب کھانا پیش کیا گیا تو اُنہوں نے دیکھا کہ کوہان اور کلیجی کی اچھی اچھی بوٹیاں برتن میں موجود ہیں۔ فرمایا: یہ کہاں سے؟ خادم نے عرض کی: امیر المؤمنین! یہ ان اونٹوں کی چند بوٹیاں ہیں جو ہم نے آج ذبح کئے تھے۔ فرمایا:

"ہائے افسوس ہائے افسوس! میں بہت برا حکمران ہوں گا، اگر اچھی چیز خود کھالوں اور ہڈیاں لوگوں کو کھلادوں۔ اُٹھاؤ یہ برتن، کوئی اور کھانا میرے لیے لے آؤ۔ چنانچہ روٹی اور روغن زیتون لایا گیا۔ چنانچہ خود روٹی توڑ توڑ کر ثرید بنانے لگے۔ پھر فرمایا: اے یرفا! افسوس تمہارے اوپر۔ یہ برتن اُٹھا کر "ثمغ" پر ٹھہرے ہوئے لوگوں کے سامنے رکھ دو کیونکہ تین دن ہوئے میں ان کے پاس نہیں جا سکا، میرا خیال ہے ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"[34]

مریضوں کی عیادت اور اَموات کی تدفین:

حضرت عمر نے حسبِ استطاعت سب لوگوں کا اتنا خیال رکھا لیکن اس کے باوجود ان میں بیماری پھوٹ پڑی اور بہت سے لوگ اس کی نذر ہو گئے۔ حضرت عمر کے غلام اسلم کہتے ہیں کہ موت نے وبائی شکل اختیار کر لی اور میرا خیال ہے کہ پناہ گزینوں میں سے تقریباً دو تہائی لوگ موت کا شکار ہوئے اور ایک تہائی باقی رہ گئے۔ حضرت عمر خود مریضوں کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے اور جب کوئی مر جاتا تو اس کے لیے کفن بھیجتے اور اس کی نماز جنازہ پڑھتے تھے۔ مالک بن اوس کہتے ہیں:

"وكان يتعاهد مرضاهم وأكفن من مات منهم. لقد رأيت الموت وقع فيهم حين أكلوا الثُّفل وكان عمر يأتي بنفسه، يصلّي عليهم. لقد رأيته صلّى على عشرة جميعًا"[35]

"حضرت عمر مریضوں کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔ مرنے والوں کے لیے کفن کا بندوبست کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ گھاس پھوس کھا کھا کر لوگ موت کا شکار ہونے لگے۔ حضرت عمر خود جا کر ان کی نماز جنازہ پڑھاتے اور میں نے تو یہ بھی دیکھا کہ ایک مرتبہ دس آدمیوں کی اجتماعی نماز جنازہ پڑھائی۔"

راشن بندی:

جو لوگ خود حاضر ہونے کے قابل ہوتے، وہ بذاتِ خود آ کر دسترخوانِ خلافت پر کھانا کھا لیتے اور جو حاضری سے معذور

تھے جیسے خواتین، بچے بوڑھے وغیرہ ان کے لیے کھانا گھروں پر بھجوا دیا جاتا تھا اور بعض صورتوں میں تو ہر مہینہ یکمشت ان کا راشن بھجوادیا جاتا تھا۔ [36]

یہ سامان لوگوں میں اس طرح تقسیم کیا جاتا تھا کہ بقول محمد حسین ہیکل اسے زمانۂ جنگ کی تقسیم غذا کے جدید نظام سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔زیادہ ہوا تو زیادہ تقسیم کر دیا گیا اور کم ہوا تو کم۔[37] راشن کی تقسیم اور لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے آپ کے ذہن میں ایک اور تجویز بھی تھی جس کا اظہار اُنہوں نے رمادہ کے دوران بھی فرمایا اور رمادہ کے بعد بھی۔ یہ تجویز دراصل مؤاخات کے اُصول پر تیار کی گئی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پر عمل درآمد کا موقع ہی نہیں آیا اور اللہ تعالیٰ نے بارانِ رحمت کے ذریعے مصیبت ٹال دی۔ رمادہ کے زمانے میں راشن تقسیم کرتے ہوئے حضرت عمر نے فرمایا:

"نطعم ما وجدنا أن نطعم فإن أعوزنا جعلنا مع أهل كل بيت ممن يجد عدتهم ممن لا يجد أن يأتي الله بالحيا"[38]

"جو کچھ ہمارے پاس موجود ہے وہ تو ہم کھلادیں گے۔ اگر کمی محسوس کی تو کچھ رکھنے والے ہر گھرانے کے ساتھ ان کی تعداد کے برابر ایسے لوگ شامل کر دیں گے جو کچھ نہیں رکھتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بارش نازل کر دے۔"

خلیفہ کا اپنی ذات کے بارے میں رویّہ (رخصت چھوڑ کر عزیمت اختیار کرنا):

انتظامی اقدامات وہ ہیں جن کا زیادہ تعلق حکومتی مشینری کے ساتھ ہے لیکن رمادہ کے دوران حضرت عمر نے نہ صرف خود عزیمت کا راستہ چنا بلکہ اپنے اہل وعیال اور بچوں کے معاملے میں بھی عزیمت اختیار کی۔ اگرچہ شرعاً وہ اس بات کے مکلّف نہ تھے تاہم عزیمت چھوڑ کر رخصت پر عمل کرنا ان کی نظر میں ایک مثالی قائد کے شایانِ شان نہ تھا۔

گھی سے پرہیز:

خوراک کے سلسلے میں سیدنا عمر کی عادت یہ تھی کہ دودھ اور گھی میں روٹی ڈال کر کھایا کرتے تھے۔ جب قحط شروع ہوا تو پھر روغن زیتون اور سرکے میں روٹی بھگو کر تناول فرمایا کرتے تھے۔[39] زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ قحط سالی کا شکار ہوئے تو گھی کی قیمت بڑھ گئی۔ آپؓ عموماً گھی استعمال کرتے تھے لیکن جب قلّت پیدا ہوئی تو فرمایا:

"لا آكله حتى يأكله الناس"[40]

"جب تک لوگوں کو کھانے کے لیے نہیں ملتا میں بھی نہیں کھاؤں گا۔"

اس کا فوری سبب غالباً وہ واقعہ تھا جسے ابن سعدؒ نے طبقات میں ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"رمادہ کے سال حضرت عمر کے سامنے گھی میں چوری کی ہوئی روٹی پیش کی گئی۔ آپ نے ایک بدوی کو بھی شریک طعام ہونے کے لیے کہا، چنانچہ بدوی کھانے میں شریک ہوا اور جس طرف گھی تھا وہ بدوی اس طرف سے لقمے لینے لگا۔ حضرت عمر نے فرمایا: لگتا ہے تم نے کبھی گھی نہیں کھایا۔ اس شخص نے جواب دیا: ہاں میں نے فلاں فلاں دن سے آج تک نہ تو گھی یا تیل خود کھایا ہے، نہ کسی اور کو کھاتے دیکھا ہے؟ یہ سن کر حضرت عمر نے قسم کھائی کہ جب تک لوگ قحط میں مبتلا ہیں، وہ گھی اور گوشت کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔"[41]

یحییٰ بن سعد روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر کی اہلیہ نے ان کے لیے گھی کا ایک کنستر ساٹھ درہم میں خریدا۔ حضرت عمر نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا: یہ میرے ذاتی مال میں سے خریدا گیا ہے، آپ کے دیے گئے نفقہ سے

نہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا:

"ما أنا بذائقه حتى يحيا الناس"[42]

"جب تک لوگ بارانِ رحمت سے فیض یاب نہیں ہوتے، میں اسے چکھنے والا نہیں۔"

گوشت سے پرہیز:

زید بن اسلم اپنے والد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے رمادہ کے سال گوشت کو اپنے اوپر حرام کر دیا تھا، جب تک کہ لوگوں کو نہ ملے۔ ایک اور روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے اس عزم پر قائم رہے:

"لم يأكل عمر بن الخطاب سمنا ولا سمينا حتى أحيا الناس"[43]

"عمر بن خطاب نے نہ تو گھی کھایا، نہ گوشت یہاں تک کہ بارش ہوئی۔"

دو سالن ایک ساتھ دستر خوان پر نہیں کھاتے:

قحط کے زمانے میں حضرت عمر نے کبھی ایک دستر خوان پر دو سالن نہیں کھائے، وہ اسے فضول خرچی سمجھتے رہے کیونکہ یہ چیزیں اس طرح دوسرے لوگوں کو میسر نہ تھیں۔ ابو حازم نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ حضرت حفصہؓ کے گھر تشریف لے گئے تو اُنھوں نے ٹھنڈا شوربا اور روٹی پیش کی اور شوربے میں تیل بھی ڈال دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"أدما في إناء واحد لا أذوقه حتى ألقى الله"[44]

"دو سالن ایک ہی برتن میں، میں اسے نہ چکھوں گا یہاں تک کہ اپنے اللہ کے سامنے پیش ہو جاؤں۔"

چھنے ہوئے آٹے سے گریز:

قحط کے زمانے میں حضرت عمرؓ کی یہ کوشش رہی کہ موٹا پسا ہوا آٹا کھائیں اور چھنے ہوئے آٹے سے گریز کرتے رہے۔ بلکہ خادم کو ہدایت دے رکھی تھیں کہ آٹا نہ چھانا جائے، یسار بن عمیر کہتے ہیں:

"والله ما نخلت لعمر الدقيق قط إلا وأنا له عاص"[45]

"واللہ میں نے جب کبھی عمر کے لیے آٹا چھانا تو میں نے اس معاملے میں ان کی ہدایات کی خلاف ورزی کی۔"

شہد کا شربت:

قحط کے زمانے میں حضرت عمر کھانے کے معاملے میں تو احتیاط کرتے ہی رہے۔ گھی، گوشت الگ الگ یا ایک ساتھ کبھی نہیں کھایا۔ نہ اپنے گھر میں نہ اپنی صاحبزادی کے گھر میں لیکن اس سے بھی بڑھ کر حیران کن بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر کو سخت پیاس لگی، ایک شخص کے گھر میں داخل ہو کر اس سے پانی مانگا تو اُنھوں نے شہد پیش کیا۔ آپ نے فرمایا:

"والله لا يكون فيما أحاسب به يوم القيامة"[46]

"اُمید ہے قیامت کے روز جن چیزوں پر میرا محاسبہ ہوگا، یہ ان میں شامل نہیں ہوگا۔"

حضرت عمرؓ کی قناعت و تواضع:

ابن سعد نے رمادہ کے واقعات کے ضمن میں تین روایتیں ایسی بیان کی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے بے کار اور ردی کھجوریں کھانے میں بھی عار محسوس نہیں کی۔ اگر ایک جانب قحط کی شدت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے تو دوسری طرف

حضرت عمر کی قناعت اور تواضع کا نظارہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ بائیس لاکھ مربع میل کا حکمران، امیر المومنین کھجوروں کی سرزمین میں بیٹھ کر ردی کھجوریں کھائے۔[47]

ٹڈی کھانے کی خواہش کرنا:

قحط اور خشک سالی جیسے حالات کا سامنا بہت سے ملکوں کو کرنا پڑتا ہے لیکن عموماً نچلے یا متوسط طبقے کے لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں، اشرافیہ اور حکمران طبقہ شاذ و نادر ہی متاثر ہوتا ہے۔ یا تو اپنے مال و دولت کی وجہ سے اور یا اثر و رسوخ اور حکومت کی وجہ سے۔جب ہم رمادہ پر نظر ڈالتے ہیں تو حاکم و محکوم دونوں متاثر ہوئے اور دونوں میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب کو دیکھا کہ ان کے منہ سے پانی ٹپک رہا ہے، میں نے عرض کی کہ آپ کا کیا حال ہے؟ تو فرمایا: بھنی ہوئی ٹڈی کی خواہش ہے۔ایک اور روایت کے مطابق آپ کی مجلس میں کسی نے ذکر کیا کہ "ربذہ" میں ٹڈی موجود ہے یہ سن کر آپ نے فرمایا: میرا دل چاہتا ہے کہ ٹڈی کی ایک دو ٹوکریاں ہمارے پاس ہوں تو ہم بھی کھا سکیں۔اس خواہش کی شدت کا اندازہ یوں بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے بر سر منبر اس کا ذکر کیا اور فرمایا: کاش ہمارے پاس ٹڈی بھرے ایک یا دو ٹوکرے ہوتے اور ہم بھی اس میں سے کچھ کھا لیتے۔[48]

امیر المومنین خلیفہ کا دستر خوان:

مؤرخین نے لکھا ہے کہ رمادہ کے دوران حضرت عمر نے کبھی گھر کے اندر بھی کوئی پسندیدہ کھانا تناول نہیں کیا، اس دوران آپ ہمیشہ وہی کھانا تناول فرماتے جو عام لوگوں کے لیے میسر تھا۔ چنانچہ بعض روایات میں نقل کیا گیا:

"وما أكل عمر في بيت أحد من ولده ولا بيت أحد من نسائه ذواقا زمان الرمادة إلا ما يتعشى مع الناس"[49]

"حضرت عمر نے رمادہ کے زمانے میں نہ تو اپنے بیٹوں میں سے کسی کے گھر اور نہ ہی اپنی بیویوں میں سے کسی کے گھر کوئی پسندیدہ کھانا تناول فرمایا سوائے اس کھانے کے جو وہ عام لوگوں کے ساتھ مل کر کھاتے تھے۔"

قحط کے دوران لوگوں کو تسلی دینے اور ان میں صبر کا مادہ پیدا کرنے اور ان کا حوصلہ بڑھانے کی خاطر اُنہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ عام لوگوں کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھتے اور وہی کھانا تناول فرماتے جو عام لوگ کھاتے۔

"و كان عمر يأكل مع القوم كما يأكلون"[50]

"حضرت عمر لوگوں کے ساتھ مل کر انہی کی طرح کھاتے۔"

خرابی صحت کے اثرات کا نمودار ہونا:

حضرت عمر نے رمادہ کے زمانے میں جس قسم کی غذا کا استعمال شروع کیا، وہ ان کے مزاج کے موافق نہ تھا۔اس لیے اس کے اندرونی و خارجی اثرات ان کی صحت پر مرتب ہونا شروع ہوئے جنہیں دیکھنے اور پاس بیٹھنے والوں نے بھی محسوس کیا۔

رمادہ کے زمانے میں انہوں نے اپنے لیے گھی کو ممنوع قرار دیا تھا اور روغن زیتون پر گزارہ کرتے تھے جس کی وجہ سے پیٹ سے گڑگڑاہٹ سنائی دیتی تھی۔آپ نے انگلی سے پیٹ کو دبایا اور پیٹ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمانے لگے۔ خوب گڑگڑاؤ! ہمارے پاس تمہارے لیے اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہے ہی نہیں جب تک کہ لوگوں سے یہ مصیبت ٹل نہیں جاتی۔[51]

ایک اور موقع پر اپنے پیٹ کو مخاطب کرکے فرمایا: اے پیٹ! جب تک گھی چاندی کے مول بکتا رہے گا تجھے اسی تیل کی

عادت ڈالنی پڑے گی۔ آپ کے غلام اسلم کہتے ہیں کہ لوگ جب قحط کا شکار ہوئے تو گھی مہنگا ہو گیا۔ حضرت عمر گھی کھایا کرتے تھے جب اس کی قلّت پیدا ہوئی تو فرمایا کہ جب تک لوگوں کو کھانے کے لیے گھی نہیں ملے گا میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ چنانچہ زیتون کا تیل استعمال کرنے لگے اور فرمایا: اے اسلم! اس کو آگ پر گرم کرکے اس کی حدت ختم کر دو۔ چنانچہ میں ان کے لیے تیل پکایا کرتا تھا اور وہ استعمال فرماتے لیکن پیٹ میں گڑگڑاہٹ ہوتی۔ آپ فرماتے: اے پیٹ خوب گڑگڑا! اللہ کی قسم تمہیں گھی اس وقت تک نہیں مل سکتا جب تک عام لوگ کھانہ لیں۔[52]

قحط اور عزیمت پر مبنی اس کردار نے جلد ہی امیر المؤمنین کی صحت کو متاثر کرنا شروع کیا اور ہوتے ہوتے یہ اثرات اتنے واضح انداز میں ظاہر ہوئے کہ دوسرے لوگ بھی ان کا مشاہدہ کرنے لگے۔ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

"فأسود لونُ عمر ﷺ وتَغيَّرَ جسمه"[53]

"حضرت عمر کا رنگ سیاہ پڑ گیا اور جسم کمزور ہونے لگا۔"

ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت عمر کا رنگ گندمی تھا۔ البتہ رمادہ کے سال میں دیکھا گیا کہ تیل کھانے سے ان کا رنگ متغیر ہوا۔ عیاض بن خلیفہ کہتے ہیں کہ رمادہ کے سال میں نے دیکھا کہ حضرت عمر کا رنگ سیاہ پڑ گیا ہے حالانکہ پہلے ان کا رنگ سفید تھا۔ ان سے پوچھا جاتا کہ یہ کس وجہ سے ہے؟ آپ فرماتے کہ عمر ایک عربی شخص تھا، گھی اور دودھ استعمال کیا کرتا تھا۔ جب لوگ قحط کا شکار ہوئے تو اس نے یہ دونوں چیزیں اپنے اوپر حرام کر دیں۔ جس کی وجہ سے اس کا رنگ بدل گیا، اس نے فاقے شروع کر دیے اور یہ سلسلہ بڑھتا گیا۔[54]

خود حضرت عمر کی اولاد میں سے بعضوں کا کہنا ہے کہ ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ حضرت عمر کا رنگ سفید تھا۔ جب رمادہ کا سال آیا جو کہ بھوک کا سال تھا تو اُنھوں نے گوشت اور گھی چھوڑ کر مسلسل روغن زیتون استعمال کرنا شروع کیا۔ جس سے ان کا رنگ بدل گیا۔ وہ سرخ و سفید تھے لیکن اب سیاہ لاغر ہو گئے۔[55] امام ابن کثیرؒ نے تصریح کی ہے کہ رمادہ کے ایام میں اس غذا سے وہ سیر نہیں ہوتے تھے۔[56] اکثر مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ ان کی صحت مسلسل گر رہی تھی اور اگر قحط کا یہ سلسلہ جاری رہتا تو شاید امیر المؤمنین اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ اسامہ بن زید بن اسلم اپنے دادا اسلم کے حوالے سے روایت کرتے ہیں:

"كنا نقول لو لم يرفع الله المحل عام الرمادة لظننا أن عمر يموت همًّا بأمر المسلمين"[57]

"رمادہ کے سال ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ قحط ختم نہ کیا تو حضرت عمر یقیناً مسلمانوں کے غم میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔"

امیر المومنین کی سواری کی کیفیت:

بات صرف کھانے پینے کے معاملے میں عزیمت تک محدود نہ تھی بلکہ اب تو زندگی کے ہر معاملے میں وہ عزیمت کی انتہائی حدوں کے قریب پہنچ گئے تھے۔ یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہو گا کہ قحط نے سب سے زیادہ امیر المؤمنین کو متاثر کیا۔ تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ رمادہ کے ایام میں وہ ہر چھوٹے بڑے واقعے بلکہ معمول کی چیزوں کا بھی غیر معمولی انداز میں جائزہ لیا کرتے تھے اور جو بھی قدم اُٹھانا ہوتا تھا، اس کا آغاز اپنی ذات سے کرتے تھے۔

سائب بن یزید نقل کرتے ہیں کہ رمادہ کے سال حضرت عمر ایک سواری پر سوار تھے جانور نے لید کی جس میں جَو کے دانے تھے۔ اسے دیکھ کر حضرت عمر نے فرمانے لگے:

"المسلمون يموتون هزلا وهذه الدابة تأكل الشعير لا والله لا أركبها حتى يحيا الناس"[58]

"مسلمان بھوکوں سے مر رہے ہیں اور یہ جانور جو کھا رہا ہے۔ نہیں اللہ کی قسم جب تک لوگ بارش سے فیض یاب نہیں ہوتے میں اس جانور پر سواری نہیں کروں گا۔"

خلیفہ وقت کا لباس:

قحط کی شدت امیر المؤمنین کے لباس پر بھی اثر انداز ہوئی۔ سائب ابن یزید فرماتے ہیں کہ رمادہ کے سال میں نے حضرت عمر کے جسم پر تہبند دیکھا جس میں سولہ پیوند لگے ہوئے تھے۔اور اس حال میں بھی وہ یہ دعا فرما رہے تھے:

"اللهم لا تجعل هلكة أمة محمد على رجلي"[59]

"الٰہی میری وجہ سے محمد ﷺ کی امت کو ہلاک نہ فرما۔"

امیر المومنین کے اہل و عیال کی کیفیت احوال:

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق نے جو عزیمت اختیار کی، وہ صرف ان کی ذات محدود نہ تھی بلکہ ان کے اہل و عیال کو بھی عزیمت کے اس امتحان سے گزرنا پڑا۔ اس سلسلے میں بطورِ مثال دو واقعات پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر کے خادم خاص اسلم کا کہنا ہے:

"رمادہ کے سال حضرت عمر نے عام لوگوں کو گوشت ملنے تک اسے اپنے اوپر حرام کر دیا تھا۔ ان کے صاحبزادے عبید اللہ کے پاس بھیڑ یا بکری کا بچہ تھا۔ جسے ذبح کرنے کے بعد بھوننے کے لیے تنور میں رکھا گیا۔ حضرت عمر کو اس کی خوشبو محسوس ہوئی، وہ اس وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ فرمانے لگے: میرا خیال نہیں کہ میرے گھر میں کوئی شخص یہ حرکت کرے گا۔ جا کر دیکھ آؤ، میں نے جا کر دیکھا تو اس (جانور) کو تنور میں پایا۔ عبید اللہ کہنے لگے: میرا پردہ رکھو، اللہ تعالیٰ تمہاری پردہ پوشی فرمائیں گے۔ اسلم نے کہا: امیر المؤمنین نے یہ جانتے ہوئے ہی مجھے بھیجا تھا کہ میں ان کے سامنے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اس کے بعد اُنہوں نے وہ ذبیحہ تنور سے نکلوایا اور لا کر حضرت عمر کے سامنے یہ کہتے ہوئے رکھ دیا کہ اُنہیں اس کا علم نہیں تھا۔ عبید اللہ نے بتایا کہ یہ بچہ درحقیقت ان کے بیٹے کا تھا، پھر میں نے خریدا۔ مجھے گوشت کی خواہش ہوئی تو میں نے ذبح کر دیا۔"[60]

عیسیٰ بن معمر کہتے ہیں:

"رمادہ کے سال حضرت عمر نے اپنے بچوں میں سے کسی کے ہاتھ میں خربوزہ دیکھا تو فرمایا: واہ، واہ، امیر المؤمنین کے صاحبزادے! محمد ﷺ کی اُمت تو بھوک سے نڈھال ہو رہی ہے اور تم پھل کھا رہے ہو؟ یہ سن کر بچہ بھاگ نکلا اور رونے لگا۔ حضرت عمر اس وقت مطمئن ہوئے جب اُنہیں بتایا گیا: یہ خربوزہ اس بچے نے مٹھی بھر گٹھلیوں کے عوض خریدا تھا۔"[61]

بیویوں سے کنارہ کشی:

ویسے تو رمادہ کے دوران امیر المؤمنین کا مکمل کردار عدیم المثال ہے لیکن جو واقعہ بیان کیا جا رہا ہے اس کی مثال شاید انسانی تاریخ آئندہ زمانے میں بھی پیش نہ کر سکے۔ صفیہ بنت ابی عبید نقل کرتی ہیں کہ حضرت عمر کے گھر کی بعض خواتین نے مجھے بتایا کہ رمادہ کے زمانے میں غم اور پریشانی کی وجہ سے حضرت عمر اپنی کسی بیوی کے قریب نہیں گئے۔[62]

خود سامان اُٹھانا اور کھانا پکانا:

اس عظیم آزمائش کے دوران حضرت عمر نے ریاستی مشینری کو تو متحرک کر ہی دیا تھا لیکن خود بھی اس دوران ایک عام مزدور کی طرح بلکہ مزدور سے بڑھ کر کام کیا۔ بجائے اس کے کہ متاثرین قحط کو اپنے پاس بلاتے، خود ان کے پاس چل کر تشریف لے جاتے۔ ان کے کندھوں پر بوریاں لادنے کی بجائے خود اُٹھا کر لے جاتے رہے اور باورچی بن کر فاقہ زدوں کے لیے کھانا پکاتے رہے۔ صحابی رسول ﷺ حضرت ابو ہریرہ ایسا ہی ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

اللہ تعالیٰ ابن حَنتمہ (عمر کی والدہ کا نام) پر رحم فرمائے۔ رمادہ کے سال میں نے دیکھا کہ ہاتھ میں گھی کا برتن اور پشت پر دو بوریاں لادے جا رہے ہیں۔ وہ اور اسلم اپنی اپنی باری لے رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر اُنھوں نے فرمایا: ابو ہریرہ کہاں سے آ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: یہاں قریب ہی سے، پھر میں نے بھی ان کی مدد کی حتیٰ کہ ہم صرار (جگہ کا نام) پہنچے، وہاں تقریباً بیس گھرانوں پر مشتمل ایک گروہ تھا۔ جن کا تعلق محارب (قبیلہ) سے تھا۔ حضرت عمر نے پوچھا: تم لوگ کیسے یہاں آئے۔ انہوں نے کہا: مصیبت کی وجہ سے، اس کے بعد اُنہوں نے جانور کا بھنا ہوا چمڑا ہمارے سامنے نکال کر رکھا جسے وہ کھایا کرتے اور اس کے ساتھ پسی ہوئی ہڈیوں کا سفوف پھانک لیا کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر نے اپنی چادر پھینک دی اور تہبند کس لیا اور ان کے لیے کھانا پکاتے رہے یہاں تک کہ وہ سب سیر ہو گئے۔ پھر اسلم کو مدینہ منورہ کی طرف بھیجا، وہ وہاں سے اونٹ لے کر گئے۔ حضرت عمر نے ان سب کو اونٹوں پر سوار کرا کر "جبانہ" نامی مقام میں بسایا، ان کو کپڑے مہیا کیے۔ اس کے بعد وہ کبھی کبھی ان کی اور دوسرے لوگوں کی خبر گیری تشریف لے جایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہ مصیبت دور فرما دی۔ [63]

پکانے کی تربیت دینا:

رمادہ کے زمانے میں ایک مرتبہ حضرت عمر ایک عورت کے پاس سے گزرے جو کہ "عصیدہ" پکا رہی تھی آپ نے فرمایا: عصیدہ ایسے نہیں بنایا جاتا۔ پھر مسوط (لکڑی وغیرہ جس کے ذریعے کسی چیز کو دوسری میں مکس کیا جائے) اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کو سمجھا کر فرمایا: ایسے۔

ہشام بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تک پانی خوب گرم نہ ہو جائے تم خواتین میں سے کوئی اس میں آٹا نہ ڈالے، پھر پانی گرم ہو جانے کے بعد تھوڑا تھوڑا کر کے آٹا اس میں ڈالا جائے اور مسوط کے ذریعے اس کو ہلاتی جائے اس طرح کھانا زیادہ گاڑھا ہو گا اور آٹے کے ٹکڑے بھی نہیں جمیں گے۔ [64]

نمازِ استسقاء اور بارانِ رحمت کا نزول:

رزم ہو یا بزم، بھوک ہو یا بیماری، ہر حالت میں بابِ رحمت کی کشادگی کے لیے مسلمانوں کی نظریں نبی کریم ﷺ کی طرف ہی اٹھتی تھیں۔ استشفاء اور استسقاء کے لیے مسلمانوں نے ہمیشہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں التجا کی بلکہ عہدِ نبوی میں جب ایک مرتبہ خشک سالی ہوئی تو کفار نے بھی بارگاہِ نبوت میں دعا کے لیے درخواست کی۔ رمادہ کا دورِ ابتلا نو مہینے جاری رہا۔ مسلمانوں نے صابر ہونے کا ثبوت دیا، اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی۔ بقول ابن کثیر گھروں تک پہنچنے سے بھی پہلے ایسی بارش ہوئی کہ وادیاں بہہ نکلیں۔ [65]

سورۃ الشوریٰ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَهُوَ الَّذِی یُنَزِّلُ الغَیثَ مِن بَعدِ ما قَنطوا وَیَنشُرُ رَحمَتَهُ وَهُوَ الوَلِیُّ الحَمیدُ"

"وہی تو ہے جو لوگوں کے مایوس ہو جانے کے بعد بارانِ رحمت برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔ وہی کارساز اور قابل ستائش ہے۔"

نو ماہ کے ابتلا و آزمائش کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور صلوٰۃ استسقا کی طرف مسلمانوں کی توجہ دلائی گئی، یہ سب کچھ خواب کے ذریعے ہوا۔ البتہ واقعات مختلف ہیں، مؤرخین نے اس سلسلے میں خواب کے دو واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ اگرچہ مذکورہ خواب دیکھنے والے اشخاص الگ الگ ہیں تاہم ان خوابوں کا مفاد و مراد ایک ہے۔

مہاجرین کی واپسی:

بقول محمد حسین ہیکل: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی دعا قبول فرمائی اور دھواں دار بارش کے ذریعے آسمان کے دروازے کھول دیے، پیاسی زمین دیکھتے دیکھتے سیر اب ہو گئی اور اس نے اپنا خاکستری لباس اتار کر دھانی پوشاک پہن لی۔ اب ان تمام عربوں کے لیے جو چاروں طرف سے آ کر مدینہ میں جمع ہو گئے تھے، وہاں ٹھہرنے کی کوئی وجہ نہ رہی۔ چنانچہ حضرت عمر خود ان میں جاتے اور فرماتے: جاؤ، اپنے وطن کو واپس جاؤ۔ انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ مدینہ کی زندگی کو عیش و آرام کی زندگی سمجھ کر وہیں نہ رہ پڑیں۔

"فلما أحيوا قال أخرجوا من القرية إلى كنتم اعتدتم من البرية فجعل عمر يحمل الضعيف منهم حتى لحقوا ببلادهم"[66]

"جب بارش ہوئی تو حضرت عمر نے لوگوں سے کہا، اس گاؤں سے نکلو اور صحرا جہاں رہنے کے تم عادی تھے، چلے جاؤ۔ حضرت عمر ان میں سے ضعیفوں کو خود اُٹھاتے یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے علاقوں میں چلے گئے۔"

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کے لیے امیر المؤمنین نے چند لوگوں کو ذمہ داری سونپی تھی۔ واپس جانے والوں کو امداد اور سواری بھی مہیا کی جاتی تھی۔ قحط کے بعد یہ ایک انتہائی اہم قدم تھا جو انہوں نے اٹھایا، اگر حضرت عمر ایسا نہ کرتے تو ایک جانب مدینہ منورہ میں ان مہاجرین کی آبادکاری حکومت کے لیے گھمبیر صورت اختیار کر جاتی اور دوسری طرف عرب کا صحرائی نظامِ زندگی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا اور ساتھ ہی بارش کے بعد زمینوں کی دوبارہ بحالی کا کام بھی پایہ تکمیل کو نہ پہنچتا۔

زکوٰۃ کی وصولی میں تاخیر:

رمادہ کے زمانے میں حضرت عمر نے زکوٰۃ و عشر کی وصولی کے بارے میں انتہائی بروقت اور جرأت مندانہ فیصلے کیے۔ ایک اہم فیصلہ یہ کیا کہ قحط کے زمانے میں انہوں نے کسی آدمی کو زکوٰۃ کی وصول کے لیے متاثرہ علاقے میں نہیں بھیجا بلکہ جب تک قحط دور نہ ہو گیا، ان کو روکے رکھا۔ جب بارش ہوئی اور لوگوں نے سکھ کا سانس لیا اور معیشت بحال ہونے لگی تو کارندوں کو وصولی کے لیے بھیجا۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق:

"أن عمر أخر الصدقة عام الرمادة فلم يبعث السعاة. فلما كان قابل ورفع الله ذلك الجدب أمرهم أن يخرجوا فأخذوا عقالين فأمرهم أن يقسموا عقالا ويقدموا عليه بعقال"[67]

"رمادہ کے سال حضرت عمر نے زکوٰۃ کی وصولی مؤخر فرمادی، چنانچہ کسی کو وصولی کے لیے نہیں بھیجا۔ اگلے سال جب اللہ تعالیٰ نے خشک سالی رفع فرمائی تو محصلین کو حکم دیا کہ وہ وصولی کے لیے نکلیں۔ چنانچہ اُنہوں نے دو دو

حصّے وصول کیے۔ آپ نے اُنہیں حکم دیا کہ ایک حصہ مقامی طور پر تقسیم کیا جائے اور دوسرا حصہ اپنے ساتھ (بیت المال کے لیے) لے کر آئیں۔ اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے وصولی اور تقسیم کے لیے مفصّل ہدایات جاری کیں۔"

ان اقدامات کے تین فوائد حاصل ہوئے:

1. رمادہ کے ایام میں لوگوں کی سہولت، مہلت اور رعایت حاصل ہوئی اور حکومتیں کارندوں یعنی محصلین کی توجہ امدادی کاموں پر مرکوز رہی۔
2. مقامی تقسیم میں ان لوگوں کو ترجیح دی گئ جو سب سے زیادہ متاثر ہوئے تھے ان کو مقامی طور پر امداد مہیا کر دی گئ اس طرح حکومت اور عوام دونوں کا وقت اور ان کے وسائل ضائع ہونے سے بچ گئے کیونکہ اموال صدقہ کی مدینہ منورہ منتقلی اور پھر مقررہ حصہ کی واپس ان علاقوں میں منتقلی پر وقت اور سرمایہ دونوں خرچ ہوتے۔
3. چونکہ بیت المال بالکل خالی ہو چکا تھا اور ایک بڑے اقتصادی بحران کا خطرہ موجود تھا، اس لیے اُنھوں نے زکوٰۃ کی وصولی ساقط نہیں کی بلکہ مؤخر کر دی اور اگلے سال مکمل وصولی کی وجہ سے عوام کی داد رسی بھی ہوئی اور بیت المال بھی آئندہ کسی اور بحران سے نمٹنے کے قابل ہوا۔

قارئین کرام! حضرت عمر کی سیاست کو دیکھیں جو اس قحط کے زمانے میں جس سے اُنہیں اور ان کی قوم کو سابقہ پڑا، ان کی خدمات سے ظاہر ہوئی ہے۔ اس سے ہماری مراد استعجاب واحترام کے ان جذبات کا احترام نہیں ہے جو ان خدمات کے پیش نظر حضرت عمر کے لیے دل میں پیدا ہوئے ہیں بلکہ ہم ان خدمات کے آئینے میں حکومت کی اس تصویر کو اجمالی خطوط دیکھنا چاہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ اس مسلم حکمران کے ذہن میں مرتسم تھی۔ جسے اللہ جل جلالہ کی حکمتِ بالغہ نے اس مقصد کے لیے مخصوص فرمایا تھا کہ وہ اسلامی معاشرے میں نظام حکومت کو تفصیلی رنگ دینے کا آغاز کرے۔

ان خدمات واعمال میں جو چیز سب سے زیادہ نظر کو اپنی طرف کھینچتی ہے وہ حضرت عمر کا ذمہ داریاں قبول کرنا اور اپنی جان کو موردِ ستم بنانا ہے۔ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں سے روگرداں ہونے کے لیے اپنے اوپر یہ بوجھ نہیں لادا تھا کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ وہ اس لیے کرتے تھے کہ ان کا شعور غریبوں، کمزوروں اور محتاجوں کے شعور سے ہم آہنگ ہو جائے۔ فرماتے: "جب تک میں خود لوگوں کی مصیبت میں شریک نہ ہوں گا مجھے ان کی تکلیف کا کیسے اندازہ ہوگا؟"

اس لیے وہ اپنے آپ کو ان محتاجوں کی سطح پر لے آئے تھے جنھیں زندگی برقرار رکھنے کے لیے صرف انہی کا دستر خواں میسر آتا تھا جس پر وہ دوسرے ہزاروں بھوکوں کے ساتھ بیٹھتے تھے چنانچہ حضرت عمر ان کے ہمراہ کھانا کھاتے تھے اور اپنے گھر میں کھانا کھانے پر رضامند نہ ہوتے تھے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ اپنے لیے ایسی چیز پسند کرتے ہیں جو ان کی قوم کے فاقہ زدوں کو میسر نہیں۔ اپنے اس عمل سے ان کے دو اہم مقصد تھے: ایک تو یہ کہ انہیں لوگوں کے دکھ درد کا احساس ہو جائے تاکہ وہ ان سے ہمدردی اور ان کی تکلیفیں دور کرنے کے سلسلے میں سعی و عمل کی رفتار تیز کر دیں اور دوسرا یہ کہ عوام کو اطمینان حاصل ہو جائے کہ امیر المؤمنین مصائب وشدائد میں ہمارے برابر کے شریک ہیں اور ان کے جذبات مشتعل نہ ہوں بلکہ وہ ہر تکلیف واذیت پر راضی بہ رضا رہیں کہ خلافت کا سب سے بڑا آدمی اس ابتلا میں ان کا ساتھ دے رہا ہے اور ان دونوں مقاصد میں حضرت عمر اتنے کامیاب رہے کہ کسی قوم کا کوئی فرمانروا اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔[68]

یہ ہے اسلام کی عظمت کہ چودہ سو برس قبل بھی خلافت راشدہ نے ایسی شاندار روایات قائم کیں کہ آج تک دنیا اس کی

مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ خداخوفی اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ مسلم حکمران اپنی رعایا کی فلاح کا بھرپور خیال رکھا کرتے۔ آج بھی ملتِ اسلامیہ کا اصل مسئلہ مال ودولت، قدرتی وسائل اور سائنس وٹیکنالوجی سے بڑھ کر، اپنی رعایا کی فلاح کی فکر، احساسِ ذمہ داری، خداخوفی، للّٰہیت اور دیانت وامانت ہے، اور اس کے لیے مغرب کی طرف دیکھنے کی بجائے، اپنی تاریخ سے سنہری مثالیں نکال کر انہیں اپنانا ہوگا۔ اور جب بھی مسلمانوں کا کوئی طبقہ، ان اوصاف کا خوگر ہو جائے گا، چاہے وہ سیاسی قیادت ہو یا دینی قیادت، ملتِ اسلامیہ کا زوال پلٹ جائے گا۔ آج کا دور ایسی ہی ذمّہ دار اور خداترس مسلم قیادت کی راہ تک رہا ہے۔

نتائج :

حضرت عمرؓ نے ایک صالح اور فلاحی معاشرہ کے لیے بنیادی اصول وضع کر دیے۔ حکمران کے حقوق بھی ہوتے ہیں اور فرائض بھی۔ اسی طرح رعایا کے حقوق اور فرائض ہوتے ہیں۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں وبائی امراض، قحط سالی کے دوران اپنے فرائض ادا کر کے ایک ایسا مثالی معاشرہ قائم کیا جس میں ہر فرد اپنے دینی، معاشرتی وسماجی فرائض اور قانونی واجتماعی ذمہ داریوں کو احسن طریقے ادا کرنے لگا۔ جس سے ایک قابل رشک صوت حال پیدا ہو گئی، جسے لوگ آج بھی یاد کرتے ہیں اور اپنے مسائل کا حل اسوہ فاروقی میں سمجھتے ہیں۔

اسوہ فاروقی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں ہمارا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ ہم توبہ واستغفار کریں، اپنے جرائم اور بداعمالیوں کا احساس اجاگر کریں، اپنی زندگیوں کو بدلنے کی کوشش کریں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام کریں، معاشرے میں برائیوں کو روکنے اور نیکیوں کو پھیلانے کی محنت کریں، اور دین کی طرف عمومی رجوع کا ماحول پیدا کریں۔

مذکورہ بالا تحقیق سے اور اسوہ فاروقی سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کریں، ان کی بحالی کے لیے کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں کہ یہ ہماری دینی اور قومی ذمہ داری ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ وبائی امراض کے دوران اگرچہ امدادی سرگرمیاں وسیع پیمانے پر جاری ہیں لیکن اصل ضرورت سے بہت کم ہیں اور ابھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ وقتی مسئلہ نہیں ہے اس پر کئی سال لگ سکتے ہیں اور اس کے لیے غیر معمولی محنت اور قربانی کی ضرورت ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی اس سلسلہ میں جاں بحق ہونے والے خواتین وحضرات کے لیے دعائے مغفرت کا اہتمام ضروری ہے۔ چونکہ وہ لوگ اچانک اور حادثاتی موت کا شکار ہوئے ہیں اس لیے رسول اللہ ﷺ کے ایک ارشاد کے مطابق وہ شہداء میں شامل ہیں۔ ان کے لیے مغفرت اور بلندیٔ درجات کی دعا بھی ہم پر ان کا حق ہے اور ہمیں اپنی دعاؤں میں انہیں یاد رکھنا چاہیے۔

خلاصہ بحث:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے زبردست اجتہادی بصیرت سے نوازا تھا، جو عملی زندگی کے ہر پہلو میں نمایاں تھی۔ آپ اسلام کی روح، مزاج اور مقاصد ومصالح کو وسیع تر تناظر میں دیکھنے سے بہرہ ور تھے۔ آپ کو مسائل کے ادراک اور معاملہ فہمی میں کمال حاصل تھا۔ ہر انفرادی واجتماعی مسئلے کی تہہ تک بہت جلد پہنچ کر اس کو کوئی حل تلاش کر لیتے تھے، لیکن اسکے ساتھ ہی اپنی ہر رائے اور فکر کو عوام الناس کے سامنے پیش کرتے۔ حق ومخالفت میں دلائل سنتے اور دلائل دیتے، پھر کسی حتمی فیصلے تک پہنچتے یہ سلسلہ عہد خلافت میں بھی جاری رہا۔ آپ نے کبھی اپنی منفرد رائے کو حرف آخر سمجھ کر عوام پر مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی، ہمیشہ اسے تنقید کی چھلنیوں سے گزارتے اور ہر مناسب دائرے میں مشاورت کرتے اور ہر وقت حق کو پانے اور اس کی طرف رجوع کرنے کے لیے تیار رہتے۔ آپ نے شورائی اجتہاد کو رواج دیا اور اسی کے مطابق اپنی پالیسیاں

وضع کیں۔ اس لیے آپ کے عہد میں کیے گئے اہم فیصلوں اور اٹھائے گئے تمام اقدامات کو اجماعی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ آپ کی اجتہادی بصیرت آپ کے دور کے مسلمانوں کی اجتماعی بصیرت کی علامت ہے۔ بحیثیت مجموعی آپ کو ساری امت مسلمہ کا اعتماد و تعاون حاصل رہا۔ عہد نبوی کے بعد امت مسلمہ کی نظر میں آپ کے دور با سعادت کو ایک معیار کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

آپ کا کردار اور طرز عمل، علم کے ہر گوشے اور زندگی کے ہر شعبے میں اسلامی روح ومزاج کی نمائندگی کرتا ہے اور ہر زمانے کے لوگوں کے لیے نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے بجافرمایا ہے: "تمام اصحاب فہم مجبور ہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں باعتبار شریعت ہر اوصاف موجود تھے، جس میں سے کچھ تھوڑے سے مقتدا اور آئمہ مسلمین نے ہم تک پہنچائے اور عامۃ المسلمین انہیں کے ذکر سے رطب اللسان ہیں۔ تاریخ میں ان کے حالات اس طرح ثبت ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی طبقہ ان سے استفادہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

عصر حاضر کے سارے مسائل کو حل کرنے کے لیے جہاں ان اوصاف کو اپنانا ضروری ہے، وہاں ایک ایسا نظام کار وضع کرنے کی ضرورت ہے، جو ان خطوط پر استوار ہو، جنہیں اس مقالے میں مختلف مباحث کے تحت اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سفارشات:

پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے۔ جس کی تقریباً آدھی آبادی غربت کا شکار ہے بائیس کروڑ میں سے گیارہ کروڑ عوام زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم ہیں۔ وبائی امراض سے جہاں جانی نقصان ہو رہا ہے اس کے ساتھ ساتھ غربت میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ پاکستان سے وبائی امراض میں رہنمائی اور غربت کے خاتمہ از حد ضروری ہے۔ اس کے لیے درج ذیل سفارشات گوش گزار کی جاتی ہے۔

1. طبّی اور معاشی ماہرین کا ایک بورڈ تشکیل دیا جائے جو جدید میڈیکل سائنس اور جدید نظام معیشت کی ترویج کے لیے کام کرے۔
2. اس بورڈ کے اراکین اہلیت یعنی تعلیم اور تجربہ کی بنیاد پر منتخب کئے جائیں۔ نیز ان کی دینداری اور حب الوطنی کو بھی مد نظر رکھا جائے۔
3. ان ماہرین کو معقول سہولیات فراہم کی جائیں اور تحقیقی کام کے تمام ضروری لوازمات مہیا کئے جائیں۔
4. یہ ادارہ آزاد اور خود مختار ہو۔ اور ان کی سفارشات کو آئینی اور قانونی حیثیت دی جائے۔
5. یہ ادارہ پاکستان میں موجود وبائی امراض اور غربت کی اصل وجوہات کا جائزہ لے اور ان اسباب کو دور کرنے کا طریقہ کار تجویز کرے۔
6. حکومت پاکستان ان تجاویز پر فوری درآمد کو یقینی بنانے کے اقدامات کرے۔
7. حکومت کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ WHO کے اشتراک کے ساتھ عوام الناس کو جدید وبائی امراض سے بچانے کے لیے آگاہی مہم شروع کرے جس میں میڈیکل کے ماہرین کے ساتھ ساتھ علماء واساتذہ اور صحافی حضرات کو بھی شامل کرے اور باقاعدہ ایک مشاورتی اجتہادی بورڈ تشکیل دے۔

8. عوام الناس کی جسمانی طاقت کو بڑھانے اور فراہم کرنے کے لیے غذا و غذائیت کے مضمون کو ہر سطح پر شامل نصاب کیا جائے۔
9. ذخیرہ اندوزی اور ملاوٹ کی روک تھام کے لیے باقاعدہ طور پر قانون سازی کی جائے اور اس میں ملوث افراد کو واقعی سزا دی جائے۔
10. قحط سالی کے خاتمہ کے لیے اور فراہمی روزگار کے لیے مائیکرو فنانس کو رواج دینا چاہیے کیونکہ مائیکرو فنانس سے عام لوگوں کی پیداواری صلاحیت بڑھے گی چھوٹے اور درمیانے درجے کی صنعتوں کو فروغ دینے کیلئے آسان شرائط پر قرضوں کی فراہمی ضروری ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

[1] علامہ شبلی نعمانی نے الفاروق (ص: ۲۳۳)، زین الدین عمر بن الوردی نے تتمۃ المختصر فی إخبار البشر (ا: ۲۲۵)، علی طنطاوی نے اخبار عمر (ص: ۱۰۸) محمد السید الوکیل نے جولۃ تاریخیۃ فی عصر الخلفاء الراشدین (ص: ۳۶۵) اور رزق اللّٰہ منقریوس الصرفی نے تاریخ دول الاسلام (ا: ۳۲) میں الرمادۃ کو ۱۸ھ کے واقعات میں شمار کیا ہے۔
Shiblī No'mānī, *Al Fārūq*, p: 233. 'Umar bin Al Wardī, *Tatimmah al Mukhtaṣar fī Akhbār al Bashar*, 1: 225. 'Alī Ṭanṭāvī, *Akhbār 'Umar*, p: 108. Muḥammad al Syed al Wakīl, *Jawlah Tārīkhiyyah fī 'Aṣr al Khulafā' al Rāshidīn*, p: 365. Al Ṣarafī, Rizqullah Manqaryūs, *Tārīkh Dūwal al Islām*, 1: 32

[2] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء، البدایۃ والنہایۃ، دار الفکر العربی، الطبعۃ الاولی ۱۳۵۱ھ، بیروت، ا: ۱۰۳
Ibn Kathīr, Ismā'īl bin 'Umar, *Al Bidāyah wa al Nihāyah*, (Beirut: Dār al Fikr al 'Arabī, 1351), 1: 103

[3] ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبری، دار صادر، بیروت، ص: ۳۳۷
Ibn Sa'ad, Muḥammad bin Sa'ad, *Al Ṭabaqāt al Kubra*, (Beurit: Dār Ṣadir), p: 337

[4] طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۱
Ibn Sa'ad, *Al Ṭabaqāt al Kubra*, 3: 311

[5] علی طنطاوی، اخبار عمر، البیان چوک انار کلی، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص: ۱۱۷
'Alī Ṭanṭāvī, *Akhbār 'Umar*, (Lahore: Al Bayān Chowk, Anār Kalī, 1971), p: 117

[6] ہیکل، محمد حسین، حضرت عمر فاروق اعظم، مطبعہ مصر شرکۃ مساھمۃ مصریہ، ۱۳۶۴ھ، ص: ۳۴۲
Haykal, Muḥammad Ḥusayn, *Ḥaḍrat 'Umar Fārūq A'ẓam*, (Egypt: Maṭba'ah Miṣr, 1364), p: 342

[7] محمد بن جریر الطبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن، دار المعرفۃ، بیروت، ۴: ۹۸
Al Ṭabarī, Muḥammad bin Jarīr, *Jāmi' al Bayān 'an Ta'vīl Āyy al Qur'ān*, (Beirut: Dār al Ma'rifah), 4:98

[8] البدایۃ والنہایۃ، ۷: ۱۳
Ibn Kathīr, *Al Bidāyah wa al Nihāyah*, 7: 13

[9] طبقات ابن سعد، ۳: ۳۲۲

Ibn Sa'ad, *Al Ṭabaqāt al Kubra*, 3: 322

[10] ایضاً

Ibid.

[11] طبقات ابن سعد، ۳: ۳۲۰

Ibn Sa'ad, *Al Ṭabaqāt al Kubra*, 3:320

[12] ایضاً، ۳: ۳۱۲

Ibn Sa'ad, *Al Ṭabaqāt al Kubra*, 3: 312

[13] خورشید فاروق، حضرت عمر کے سرکاری خطوط، ندوۃ المصنّفین، دہلی، ۱۹۸۹ء، ص: ۲۳۲

Khūrshīd Fārūq, *Ḥāḍrat 'Umar k Sarkārī Khuṭūṭ*, (Dehli: Nadwah al Muṣannafīn, 1989), p: 232

[14] طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۵

Ibn Sa'ad, *Al Ṭabaqāt al Kubra*, 3: 315

[15] طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۰

Ibn Sa'ad, *Al Ṭabaqāt al Kubra*, 3: 310

[16] البدایۃ والنہایۃ، ۷: ۱۰۳

Ibn Kathīr, *Al Bidāyah wa al Nihāyah*, 7: 103

[17] حضرت عمر فاروق اعظم، ص: ۳۴۰

Haykal, *Ḥaḍrat 'Umar Fārūq A'ẓam*, p: 340

[18] علی بن ابی الکرم الشیبانی ابن الاثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۰۳ھ، بیروت، ۲: ۵۵۶

Ibn al Athīr, 'Alī bin Abī al Karam, *Al Kāmil fī al Tārīkh*, (Beirut: Dār al Kitāb al 'Arabī, 1403), 2:556

[19] تاریخ طبری، ۴: ۱۰۰

Tārīkh-e-Ṭabarī, 4: 100

[20] نہایۃ الارب فی فنون الادب، ۱۹: ۳۲۷

Nihāyah al A'rb fī Funūn al A'dab, 19: 327

[21] نعمانی، شبلی، مولانا، الفاروق، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص: ۲۳۳

No'mānī Shiblī, *Al Fārūq*, (Lahore: Maktabah Ta'mīr-e-Insāniyat, 1975), p: 233

[22] تاریخ طبری، ۴: ۱۰۰

Tārīkh-e-Ṭabarī, 4:100

[23] ایضاً

Tārīkh-e-Ṭabarī, 4:100

[24] طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۷

Ibn Sa'ad, *Al Ṭabaqāt al Kubra*, 3:317

[25] ایضاً

Ibid.

[26] علی طنطاوی، اخبار عمر، ص: ۱۱۱

'Alī Ṭanṭāvī, *Akhbār 'Umar*, p :111

27 ایک کھانا جو آٹا اور گھی ملا کر بنایا اور پکایا جاتا ہے، اس کی جمع عصائد ہے۔

28 طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۷

Ibn Sa'ad, *Al Ṭabaqāt al Kubra*, 3: 317

29 ایضاً، ۳: ۳۱۱

Ibid., 3: 311

30 ایضاً، ۳: ۳۱۵

Ibid., 3: 315

31 ایضاً، ۳: ۳۱۶، ۳۱۷

Ibid., 3: 316

32 ندوی، شاہ معین الدین، جولۃ تاریخیۃ فی عصر الخلفاء الراشدین، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص: ۲٦۷

Nādvī, Shah Mo'īn Uddīn, *Jawlah Tārīkhiyyah fī 'Aṣr al Khulafā' al Rāshidīn*, (Karachi: HM Sa'īd Company), p: 267

33 طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۰، ۳۱۱

Ibn Sa'ad, *Al Ṭabaqāt al Kubra*, 3: 310-311

34 ابن الجوزی، عبدالرحمٰن بن علی، مناقب عمر، دار الثقافۃ العربیۃ، دمشق، الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۱ھ، ۱: ۷۳

Ibn al Jāwzī, 'Abd al Raḥmān bin 'Alī, *Manāqīb 'Umar*, (Damascus: Dār al Thaqāfah al 'Arabiuyah, 1411), 1: 73

35 طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۲

Ibn Sa'ad, *Al Ṭabaqāt al Kubra*, 3: 312

36 طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۷

Ibid., 3:317

37 ایضاً

Ibid.

38 عمر فاروق اعظم، ص: ۳۴۱

Haykal, *Ḥaḍrat 'Umar Fārūq A'ẓam*, p: 341

39 طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱٦

Ibn Sa'ad, *Al Ṭabaqāt al Kubra*, 3: 316

40 البدایۃ والنہایۃ، ۷: ۱۰۳

Ibn Kathīr, *Al Bidāyah wa al Nihāyah*, 7: 103

41 طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۳

Ibn Sa'ad, *Al Ṭabaqāt al Kubra*, 3: 313

42 ایضاً

Ibid.

43 مناقب عمر، ص: ۷۲

Ibn al Jāwzī, *Manāqīb 'Umar*, p: 72

44 طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۳

Ibn Sa'ad, *Al Ṭabaqāt al Kubra*, 3: 313

[45] طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۹

Ibn Sa'ad, *Al Ṭabaqāt al Kubra*, 3: 319

[46] ایضاً

Ibid.,3: 313

[47] طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۹

Ibid., 3: 319

[48] طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۸

Ibid., 3: 318

[49] طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۷، ۳۱۸

Ibid., 3: 318

[50] طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۷

Ibid., 3: 317

[51] طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۲

Ibid., 3: 312

[52] الزہد، ص: ۱۴۶

Al Zuhad, p: 146

[53] الزہد، ص: ۱۵۰

Al Zuhad, p: 150

[54] البدایۃ والنہایۃ، ۷: ۱۰۳

Ibn Kathīr, *Al Bidāyah wa al Nihāyah*, 7: 103

[55] طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۴ - ۳۲۴

Ibn Sa'ad, *Al Ṭabaqāt al Kubra*, 3: 314

[56] ابن حجر، احمد بن علی، الاصابہ فی تمییز الصحابۃ، الطبعۃ الاولی، ۱۳۲۸ھ، بیروت، ۴: ۴۸۴

Ibn Ḥajar, Aḥmad bin 'Alī, *Al Iṣābah fī Tamyīz Al Ṣaḥābah*, (Beurit: Dār Ṣadir, 1328), 4: 484

[57] البدایۃ والنہایۃ، ۷: ۱۰۳

Ibn Kathīr, *Al Bidāyah wa al Nihāyah*, 7: 105

[58] طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۵

Ibn Sa'ad, *Al Ṭabaqāt al Kubra*, 3: 315

[59] طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۲

Ibid., 3: 312

[60] طبقات ابن سعد، ۳: ۳۲۰

Ibid., 3: 320

[61] طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۳

Ibid., 3: 313

[62] طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۵

Ibid., 3: 315

63 طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۵

Ibid., 3: 315

64 رازی، زین الدین، مختار الصحاح، دار صادر، بیروت، ۱۹۹۵، ص: ۴۰۶

Al Rāzī, Zain al Dīn, *Mukhtār al Ṣiḥāḥ*, (Beurit: Dār Ṣadir, 1995), p: 406

65 طبقات ابن سعد، ۳: ۳۱۴

Ibn Sa'ad, *Al Ṭabaqāt al Kubra*, 3: 314

66 البدایۃ والنہایۃ، ۷: ۱۰۴

Ibn Kathīr, *Al Bidāyah wa al Nihāyah*, 7: 104

67 طبقات ابن سعد، ۳: ۳۲۳ - ۳۱۷

Ibn Sa'ad, *Al Ṭabaqāt al Kubra*, 3: 323-317

68 عمر فاروق اعظم، ص: ۳۴۳، ۳۴۴

Haykal, *Ḥaḍrat 'Umar Fārūq A'ẓam*, p: 343,344